تذکرہ
پیر صاحب
دیول شریف

ڈاکٹر سید احسن زیدی

تذکرہ

پیر صاحب دیول شریف

جامع شریعت و طریقت قطب الاقطاب شیخ الشیوخ

پیر صاحب دیول شریف دامت برکاتہم العالیہ کا مختصر تعارف

(حاجی خلیفہ محمد نذیر احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ)

☎ * 6671572
SHAHID MAHMOOD

ڈاکٹر سیّد احسن زیدی

نام کتاب ________ تذکرہ پیر صاحب دیول شریف

مرتب ________ ڈاکٹر سیّد احسن زیدی
ایم اے پی ایچ۔ڈی

تعداد ________ ایک ہزار

مطبع ________ پاکستان آرٹ پریس
بھوانہ بازار فیصل آباد

ناشر ________ شعبہ تصنیف و تالیف
آستانہ عالیہ
ولی آباد شریف (۲۳۱ ر ب رسالیوالہ ۱۷)
فیصل آباد

زیر سرپرستی:۔ پیر سیّد مشتاق حسین شاہ صاحب مدّظلّہ

قیمت ۴۰/ روپے

(ثنا اللہ محمود)

سلسلۂ قادریہ

کے جلیل القدر مشائخ

کے نام

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرفِ آغاز

سرورِ انبیاء ختمی مرتبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ پاک کا مطالعہ طہارتِ فکر اور تہذیبِ نفس کا انتہائی موثر ذریعہ ہے۔ اصحابِ رسولؐ کے تذکرے تعلق باللہ اور عشقِ رسول کو محکم اور مضبوط بناتے ہیں۔ ان نفوس قدسیہ نے جس دردمندی کے ساتھ اسلام کی حفاظت اور اشاعت کا فریضہ سرانجام دیا اس کا اعتراف ہمارے ایمان کا تقاضا ہے۔ تابعین اور تبع تابعین نے بڑے خلوص کے ساتھ شمعِ اسلام کو روشن رکھا اور ان کی سعی اور اخلاص عمل سے اسلام کا علَم اقصائے عالم میں لہرانے لگا۔ ان کے بعد جن پاکیزہ ہستیوں نے زہد و تقوی اختیار کیا اور تبلیغِ دین کا منصب سنبھالا وہ صوفیاء تھے۔ برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی ترویج انہیں مقربانِ بارگاہ کی مرہونِ منت ہے۔ وہ صدق و صفا جودو سخا' اور مہرو وفا کے پیکرِ جمیل تھے۔ ان کی حیات کا ایک ہی مقصد تھا کہ خدا تعالیٰ کے احکام اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتِ طاہرہ کی روشنی میں ایک ایسا معاشرہ معرضِ وجود میں آئے جس میں محبت ' ایثار ' اخوت اور خلوص کی حکمرانی ہو اور جس میں عدل و انصاف کا بول بالا ہو۔ ان کی تعلیم انسانیت کا فروغ اور ان کی تلقین تسلیم و رضا کی بالادستی تھی۔

تصوف کی حقیقی غائت ہی یہ ہے کہ اتباعِ شریعت میں اصلاحِ باطنی کا

اہتمام کیا جائے تاکہ بندہ انسانیت کا اوجِ کمال حاصل کر سکے۔ صوفیاء کی صحبت اس منزل کو آسان کردیتی ہے۔ ان مقبولانِ بارگاہِ ربانی کے پاس بیٹھ کر دل منور ہوجاتا ہے۔ مزاج میں اعتدال اور طبیعت میں پاکیزگی کے جوہر پیدا ہوتے ہیں۔ اور معبود کے ساتھ عبد کا رشتہ مضبوط ہوتا ہے۔

ایک حدیثِ مبارکہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو وہی افراد محبوب ہیں جو اس کے بندوں میں اسکی محبت کا جذبہ بیدار کرتے ہیں۔ اور ان کو اس کے قریب لانے کی جدوجہد کرتے ہیں۔ یہاں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وصف کا تذکرہ فرمایا ہے یہ مرتبہ مشیخیت اور دعوت الی اللہ کا ہے۔ مشائخِ طریقت لوگوں کو خدا کی طرف بلاتے ہیں اور اس کے بندوں کا رشتہ اس سے جوڑتے ہیں۔ ان کی یہ کاوش اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ٹھہرتی ہے اور وہ بھی ان کے قریب ہوجاتا ہے۔ اسی بنا پر طریقۂ تصوف میں شیخ کا مرتبہ اعلیٰ اور افضل ٹھہرتا ہے۔ بلکہ اس دعوت الی اللہ میں وہ پیغمبروں کی نیابت کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ شیخِ طریقت اپنے عقیدت مندوں کو اتباعِ رسولؐ کی تلقین کرتا ہے اور جو خلوص اور محبت سے اپنی زندگی آپؐ کے احکام کے سانچے میں ڈھال لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید کی آیت کریمہ میں بیان ہوا ہے

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

پیر صاحب دیول شریف ایسے مشائخِ طریقت میں ممتاز حیثیت رکھتے

ہیں۔ جو دعوت اِلی اللہ دینے اور شریعتِ محمدی کی اتّباع کرتے ہوئے بندوں کو خالقِ کائنات سے منسلک کرنے کا عظیم مشن جاری رکھے ہوئے ہیں۔

زیرِ نظر کتابچہ مرشدِ عالی مرتبت دامت برکاتہم العالیہ کا مختصر تعارف ہے۔ جس کے مطالعہ سے قارئین پر یہ حقیقت واضح ہوگی کہ دنیا میں ایسے برگزیدہ بندے موجود ہیں جن کے وجودِ مسعود سے یہ کائنات روشن ہے۔ جن کی نگاہِ کیمیا اثر سے انسانوں کی تقدیر بدل جاتی ہے۔ اور جن کی صحبتِ صالحہ فیضانِ الٰہی کا منبع و سرچشمہ ہے۔

سید احسن زیدی

محمد اعظم اختتام

○○○

پیر صاحب دیول شریف عصرِ حاضر کے کبار مشائخِ طریقت میں سے ہیں۔ آپ مسندِ رشد و ہدایت کی زیب و زینت اور رموزِ باطنی اور مکاشفاتِ نورانی کا سرچشمۂ عظیم ہیں ہزاروں بندگانِ خدا آپ کے آستانۂ عالیہ سے فیض یاب ہوکر ملک کے گوشے گوشے میں نورِ ایمانی کی کرنیں بکھر رہے ہیں جن کی ضیا باریوں سے دل مننیر اور روحیں سرشار ہورہی ہیں۔

والدین

کوہ مری' ہزارہ اور آزاد کشمیر کے درمیان ایک چھوٹا سا گاؤں "دیول" ہے یہاں ایک عارف باللہ بزرگ رہائش پذیر تھے۔ جو عاجزی ' انکساری ' ہمدردی ' تواضع اور فقر جیسی صفاتِ حسنہ سے متّصف تھے۔ اس کے علاوہ وہ شریعتِ محمدی کے رمز شناس اور جادۂ طریقت کے سالک تھے۔ ان کی ذات ایک چشمۂ فیض تھی جس سے ہر آنے والا سیراب ہوتا تھا۔ ان کا اسمِ گرامی محمد عبداللہ تھا۔ اس کہستانی علاقے کے مرد وزن اور عوام و خواص سبھی ان سے خوش عقیدگی رکھتے اور والہانہ محبت اور شیفتگی کا دم بھرتے تھے۔ وہ اگرچہ زیادہ آسودہ حال نہ تھے مگر ان کا لنگر جاری تھا۔ جو کچھ گھر میں ہوتا وہ مریدین اور معتقدین کی

خدمت میں حاضر کردیتے انہوں نے دانستہ طور پر پہاڑی علاقے کو اپنا مسکن بنا رکھا تھا۔ وہ فرمایا کرتے تھے۔

" ایک عارف باللہ کی نگاہِ عارفانہ پہاڑ سے جن لطائف کا اخذ کرسکتی ہے۔ ان کا اندازہ صرف اہلِ نظر ہی لگاسکتے ہیں۔ میں نے پہاڑوں کی زندگی میں جو کچھ پایا۔وہ شاید کسی دوسری جگہ نہ پاسکتا۔"مزید فرمایا" میں نے یہاں اپنے مالک و مولا کو پایا' منزلِ سلوک پائی ' صبر و استقامت حاصل کی میں اللہ پر بھروسہ کرنے والا ہوں۔ یہی میری زادِ راہ ہے"۔

حضرت محمد عبداللہ القادریؒ طریقت کے کئی سلسلوں سے منسلک تھے۔ سلسلۂ قادریہ اور چشتیہ میں خلعتِ خلافت سے سرفراز تھے۔ کئی خاصانِ خدا سے تعلقِ خاطر تھا۔ سوہاوہ شریف کے حضرت مخدوم علی شاہؒ کی چشمِ عنائت کا مرکز اور حضرت فقیر اللہ بکوٹیؒ کے رفیقِ خاص تھے۔

ایک مرتبہ حالت وجد و سرور میں حضرت بکوٹیؒ نے ان سے فرمایا

" عبداللہ ' میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک درویش بچہ دے گا۔ جو دین کو روشن کرے گا۔ جس کی ہدایت دور دراز پھیلے گی۔ یہی نورِ معرفت تمہارے ذاتی اور مخفی فقر و غنا کا اظہار ہوگا۔"

پھر فرمایا:

" اس بچے کا نام محمد عبدالمجید احمد ہوگا۔ یہ تمہارے تینوں بیٹوں میں سب سے چھوٹا ہوگا۔ اس کو کسی مکتب میں نہ بھیجنا۔ دریاؤں کے کنارے اور دشت کے دامن میں اس کا معلّم خاص اس کا انتظار کرتا ہے۔ یہ معلّم صدہا برس کے بعد اللہ کے خاص رحم و کرم سے کسی بندۂ خاص کو نصیب ہوتا ہے۔"

حضرت محمد عبداللہ القادریؒ کا شجرۂ نسب امیر المومنین حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے ملتا تھا۔ اس طرح وہ علوی النسل تھے۔ لیکن تفاخر کا کوئی کلمہ زبان پر نہیں لاتے تھے۔

حضرت محمد عبداللہ القادریؒ کی زوجہ محترمہ کا نام حافظہ آمنہ تھا۔ لیکن تمام علاقے میں حافظ جان کے نام سے معروف تھیں۔ ان کا نسبی تعلق سائن تحصیل مری کے مغل خاندان کے ایک علمی اور دینی گھرانے سے تھا۔ آپ بڑی عابدہ ' زاہدہ اور شاکر باللہ تھیں۔ آپ نے دیول اور اس کے اطراف وجوانب میں رہنے والے لوگوں کے سینے تعلیمِ دین کے نور سے روشن کئے۔ ان سے کسبِ فیض کرنے والوں کی کثیر تعداد دور دراز کے علاقوں میں پھیلی ہوئی ہے۔

ولادت

حضرت محمد عبداللہ القادریؒ دریائے معرفت کے دُرّ تابندہ تھے۔ محترمہ حافظ جان شمعِ حقیقت کی روشنی سے منور تھیں ان کے ہاں ۱۹۲۲ء میں جب تیسرا بیٹا تولد ہوا تو ایک بزرگ سے اس کا نام رکھنے کی درخواست کی گئی۔ انہوں نے اس کا نام محمد عبدالمجید احمد رکھا۔ اس طرح اسکی ولادت کے ساتھ ہی حضرت بکوٹیؒ کی ایک پیشین گوئی پوری ہوگئی یہ بچہ مطلعِ شریعت و طریقت پر آفتاب بن کر چمکا اور لوگوں کی ایک کثیر تعداد نے اس کے سامنے سرِ عقیدت خم کرکے اسے پیر صاحب دیول شریف کے نام سے یاد کیا۔

بچپن

آپ نے جس ماحول میں بچپن کے ماہ و سال بسر کئے وہاں آپ نے عاجزانہ بسراوقات ' حلیمانہ برتاؤ ' نرم گفتاری 'کم گوئی ' قرآن و سنت کی پیروی ' خدا اور رسولؐ سے والہانہ محبت' ہمہ وقت اولیاء اللہ کے تذکرے۔ دینی مسائل کی عام فہم تشریح' شادی و غم میں سجدۂ شکر کی بجا آوری کو شب و روز کا معمول دیکھا۔ یہ وہ متاعِ گراں تھی جو والدین کی تربیت نے آپ کو عطا کی جب آپ نے ہوش سنبھالا تو والدہ محترمہ نے سب سے پہلے آپ کو قرآن مجید کی تعلیم دی۔ پہلا رکوع اور آخری دس سورتیں زبانی یاد کرائیں اور نماز کی عملی تعلیم دی۔

پیر صاحب بکوٹی شریفؒ اور حضرت مخدوم علی شاہ سوہاویؒ کے فرمان کے مطابق والدین نے آپ کو کسی مکتب میں اکتسابِ علم کے لئے نہیں بھیجا۔ لیکن گھر کی چار دیواری میں جو درسِ حیات آپ نے لیا اور جن دینی مسائل کا تذکرہ آپ نے سنا وہ ازبر ہوگیا۔ آپ کے گھر کی مختصر دنیا عاجزی ' فروتنی اور فقیری کا رنگ لئے ہوئے تھی۔ یہاں کا دینی اور مذہبی ماحول 'حسبِ توفیق جودوسخا کا منظر اہلِ عقیدت کی باذوق مجالس رگ وپے میں سما کر آپ کے قلب و نظر کو ضیابار بنارہی تھیں۔

آپ کی عمر ابھی سات آٹھ سال کی تھی کہ آپ نے خواب میں اپنے والدِ گرامی کو دیکھا کہ وہ آپ کو سورہ مزمل کی اجازتِ خاص دے رہے ہیں۔ اور والدہ چاندی کے برتن میں آپ کو دودھ پلارہی ہیں۔ اور ساتھ ساتھ بہ آواز بلند درود شریف کا ورد بھی کررہی ہیں۔ پھر آپ کے والد نے اور بعد میں والدہ نے

آپ کے سینے کو تھپکایا اور دعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ ہمارے اس غریب بیٹے کو اپنا بندہ بنا اور اسے صاحبِ دین و عرفان کر تاکہ یہ ہمارے لئے ذریعۂ نجات ثابت ہو۔

صبح جب آپ بیدار ہوئے تو آپ کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ جو کچھ آپ نے خواب میں دیکھا تھا۔ اسکی تعبیر درست ثابت ہو رہی تھی۔ والدِ بزرگوار آپ کی والدہ محترمہ سے فرما رہے تھے کہ میرے پاس سورۂ مزمل کی وہ خاص برکتیں ہیں جن کو میں نے حضرت مخدوم علی شاہ سوہاویؒ کی اجازت سے حاصل کیا ہے۔ میری تمنا ہے کہ میں وہ اپنے بیٹے کو منتقل کردوں۔ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو شاید مجھے قیامت تک ملال رہے۔ لیکن ابھی یہ بہت کم عمر ہے اور یہ اس اجازت پر عملاً" پورا اترنے کے قابل بھی نہیں ہے۔ تاہم اسے اس سورہ پاک کی اجازت تو دی جاسکتی ہے۔ اس میں چند نکتے ہیں جو اس کو ازبر ہوسکتے ہیں پھر فرمایا

"اگر چاندی کا برتن مہیا ہوسکے تو اس میں دودھ ڈال کر سورۂ مزمل پڑھ کر دم کرکے اس کو قبلِ اجازت پلادیا جائے تو اس کا سینہ اس اجازت کا متحمل ہوسکتا ہے"۔

چنانچہ آپ کو وضو کرایا گیا۔ پاک لباس پہنایا گیا۔ قبلہ رو ہوکر درود شریف پڑھنے کی تلقین کی گئی اور پھر دونوں ہاتھوں میں پیالہ تھما کر تین دفعہ اعوذ باللہ اور بسم اللہ کے ساتھ یہ دودھ پلایا گیا۔ اس کے بعد آپ کو چارپائی پر لیٹنے کے لئے کہا گیا۔ اور والد اور والدہ دونوں نے آپ کے سینے کو تھپکایا اور پھر ان کے لئے وہی دعا کی جو آپ نے رات خواب میں سنی تھی۔

اس خواب والی رات کی پہلی صبح خواب کی تعبیر کا عملاً" سامنے آنا آپ کے لئے عجیب و غریب واقعہ تھا۔ ایک ایسا واقعہ جس نے آپ کے دل میں والدین کی توقیر اور عقیدت کو فزوں تر کردیا۔

بیعت اور خلافت

آپ نے سلوک کی منزلیں اپنے والدِ مکرم حضرت محمد عبداللہ القادریؒ□ کی نگرانی میں طے کیں۔ وہ اگرچہ سلسلہِ قادریہ اور چشتیہ کے اجازت یافتہ تھے مگر انہوں نے پوری زندگی میں صرف گیارہ آدمیوں کو مرید کیا۔ جن میں ایک ان کے فرزندِ ارجمند بھی تھے۔ بیعت کے ساتھ آپ کو خلافت بھی عطا ہوئی اور وہ خرقہِ خلافت بھی جو حضرت محمد عبداللہ القادریؒ کو بغداد شریف سے مرحمت ہوا تھا۔

خرقہ عطا کرتے ہوئے انہوں نے آپ کو نصیحت کی اور فرمایا:

"اصلی لباس ایمان باللہ اور عبادتِ الٰہی ہے یہ خرقہ اہل اللہ کی امانت ہے۔ یہ محض لباس نہیں ہے۔ حلال کھاؤ تاکہ سچ بولو، اور سچ بولو تاکہ پرہیز گار بن جاؤ پھر اس خرقہ مبارک کی کرامات تم پر ظاہر ہوجائیں گی"

آپ نے ان نصائح کو رختِ جادۂ حیات سمجھا اور روحانی فتوحات سے ہمکنار ہوتے رہے۔ اس اندازِ تربیت سے آپ پر یہ حقیقت بھی کھلی کہ مرشد ارشاد کرنے والے کو کہتے ہیں۔ محض ارشاد تو کوئی بھی کرسکتا ہے۔ مگر مرشد کے ارشادات سے مراد کتاب و سنت کے مطابق ارشادات ہیں۔ اور مرید کے معنی صاحبِ ارادت کے ہیں۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ شریعت کی روشنی میں کسی متشرع مرشدِ کامل کے ساتھ ارادت وابستہ کرکے صراطِ مستقیم حاصل کیا جائے

مرشدِ شریعت کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پیروی اور نبی اللہ کی پیروی سے خدائے مطلق کی رضا کا حصول مقصود ہوتا ہے۔

دیول شریف

حضرت محمد عبداللہ القادریؒ کے پاس کشمیر کی طرف سے ایک مردِ خدا بصورت مہمان قیام پذیر ہوا۔ اس کے چہرے پر نورِ عرفان کی جھلک اور آنکھوں میں شمعِ ایقان کی چمک تھی اس نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"میں آپ کی پیشانی میں معرفت کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہوا دیکھتا ہوں۔ میں نے دیول کو دیول شریف کی صورت میں پایا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ دیول کے لوگ عزت و احترام کے آسمان پر ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں۔"

پھر فرمایا:

"دیول کو دیول شریف ہی کہنا چاہئے مگر اسکی شرافت کے اظہار کے لئے جس دلیل کی ضرورت ہے وہ اسکی گود ہی میں پیدا ہوگی جس کی بنا پر یہ دور دراز تک شریف ہی کہلائے گا۔"

حضرت عبدالرحمٰن کابلیؒ

حضرت عبدالرحمٰن کابلیؒ ایک برگزیدہ شخصیت تھے۔ وہ اکتالیس برس کشمیر کی پہاڑیوں پر ریاضت کے بعد پشاور جارہے تھے۔ کہ انہوں نے اپنا رخ دیول شریف کی طرف موڑ لیا۔ انہوں نے دیول شریف آنے کا سبب بیان کرتے ہوئے کہا:

"کشمیر کے پہاڑوں ' جنگلوں اور دریاؤں میں یا حبیبُ یا لطیفُ کا وِرد کرتے ہوئے ایک دریا پر بوقتِ سحر خواجہ خضرؑ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے مجھے سینے سے لگایا اور کچھ معرفت کے اسرار و رموز سمجھائے پھر حکم دیا کہ دیول شریف جاؤ وہاں ایک نوجوان مصروفِ عبادت ہے اس کا نام محمد عبدالمجید احمد ہے۔ اس کے والد کا نام محمد عبداللہ ہے۔ جاؤ اسکی رہنمائی کرو تمہارا وہاں جانا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ اس حکم کے تحت تمہارے پاس آیا ہوں۔"

عبدالرحمٰن کابلیؒ نے آپ کو سینے سے لگایا اور ایک خرقہِ خلافت اپنی طرف سے پہنایا۔ اسرارِ معرفت پر عجیب و غریب اور نادر درس دیا اور یاحبیبُ یالطیفُ کا وظیفہ وِرد کے لئے عطا فرمایا اور کہا:

"اللہ تعالیٰ کا شکر پابندیِ دین کے ساتھ ادا کرتے رہنا ' زبان سے اللہ ہی کی تعریف بیان کرنا۔ اور بدن سے اسکی عبادت بجا لانا اور حلال کمائی کرکے اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا کامل شکر ہے۔"

آپ کے استفسار پر انہوں نے اپنا نام عبدالرحمٰن کابلی بتایا اور اپنی زندگی کے دیگر کوائف بھی بیان کئے۔

جاتے ہوئے انہوں نے آپ کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور آپ کی کامیابی کی دعا کی۔ لوگوں کو بیعت کرنے کی اجازت دی اور بڑی برق رفتاری کی ساتھ مسجد سے باہر نکل گئے۔ مسجد سے چند قدم تک وہ نظر آتے رہے پھر اچانک اوجھل ہوگئے۔

خلافت:

حضرت محمد عبداللہ القادریؒ سلسلۂ قادریہ کے علاوہ سلسلۂ چشتیہ سے بھی اجازت یافتہ تھے۔ اس طرح پیر صاحب دیول شریف کو عبدالرحمٰن کابلیؒ سے خلافت ملنے تک دو دفعہ خلافت عطا ہوئی۔ آپ کو بیعت کی اجازت دیتے ہوئے حضرت محمد عبداللہ القادری نے فرمایا:

"بیعت سے مراد تبلیغ دین ہے اور تزکیۂ نفس کو جاری کرنا ہے۔ جو مرشد بوقتِ بیعت دین کو فراموش کردے وہ صاحبِ فیض نہیں ہوسکتا۔"

فرمایا:

"اس خرقہ کو پہننے کے بعد شریعت کی پابندی کرو۔ طریقت کو ہمہ وقت شریعت کے پیمانے پر تولو۔ کہیں ذرہ بھر نقص نظر آئے تو فوراً توجہ کرو اور ایسے حال سے اجتناب کرو لوگوں کو نصیحت کرو۔ تمہارا کام نصیحت کرنا ہے۔ ہدایت دینا خدا کا کام ہے۔"

مزید فرمایا:

"مجھے یہ ہوس نہیں کہ تم بہت بڑے عالم بن جاؤ۔ مگر میں اس پر حریص ہوں کہ تمہارے نصیب میں جس قدر علم ہے اس پر امکانی کوشش سے عمل کرو۔"

والدِ بزرگوار اور مرشد کامل کے ارشادات کو آپ نے مشعل راہ بنایا اور قادریہ سلسلہ کے مطابق سلوک کی منزلیں طے کیں۔

والدِ بزرگوار کا وصال:

۱۴ فروری ۱۹۴۲ء کو نمازِ فجر کے بعد حضرت محمد عبداللہ القادریؒ مجلس

میں پندو نصائح فرما رہے تھے کہ پیغامِ اجل آپہنچا اور آپ نے جامِ وصال نوش فرمایا۔ اسی دن آپ کی تدفین ہوئی۔ مریدین اور معتقدین کی ایک بڑی تعداد نمازِ جنازہ میں شریک ہوئی۔ مسجد سے چند قدم کے فاصلے پر ان کا مزارِ فیض آثار تعمیر ہوا۔

والدہ محترمہ کا فیضان:

والدِ گرامی اور رہبرِ کامل کے اس دنیا سے پردہ پوش ہوجانے کے بعد آپ کی والدہ ماجدہ کا وجودِ مسعود آپ کے لئے سایۂ عاطفت تھا۔ انہیں کی ہدایت اور نگرانی میں آپ نے راہِ سلوک میں ریاضت کا سلسلہ جاری رکھا۔

ایک دن انہوں نے فرمایا:

"میرے پاس چند اجازتیں ہیں جو اللہ کی دین ہیں اور میرے پاس امانت ہیں۔ وہ تمہیں اللہ کے نام پر تفویض کرتی ہوں۔ یہ اجازتیں جو مجھے اجداد سے ورثے میں ملی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کامل بندگی حاصل کرنے کے لئے قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ سے اخذ کی ہوئی ہیں۔ میں اجازت دیتی ہوں کہ جاؤ دریاؤں پر ان وظائف کی ابتدا کرو۔"

پھر فرمایا:

"میرے نزدیک تم ابھی علمِ دین سے بیگانہ ہو۔ تم پر عالمِ دین یا عارف باللہ کا اطلاق نہیں ہوسکتا اور مجھے سب سے بڑا خدشہ یہی ہے کہ تم بغیر علمِ دین کے عالمِ دین اور بغیر ریاضت شرعیہ کے عارف باللہ ہونے کا دعوی نہ کر بیٹھو۔ خدا تمہیں ہر حال میں بندۂ عاجز رکھے۔ جب علمِ دین مل جائے تو اپنے آپ کو

اللہ کے سامنے جاہل گردانو اور جب عارف باللہ ہوجاؤ تو اپنے آپ کو اللہ کے سامنے پُر تقصیر تصور کرو اہل اللہ میں زیادہ مقبول وہی سالک ہوتے ہیں جو شریعت کی روشنی میں راہِ طریقت کے آئین کے پابند ہو کر منزلِ مراد کی طرف رختِ سفر باندھتے ہیں۔

والدہ کی اجازت سے آپ نے دیول شریف کے دامن سے گزرتے ہوئے دریائے جہلم کے کنارے ایک ویرانے میں بیٹھ کر اپنا پہلا وظیفہ شروع کیا۔ جو سورہ الکہف سے تھا۔ یہ سلسلہ قادریہ کا ایک وظیفہ تھا۔ اس ریاضت میں آپ کا دل روشن ہونے لگا اور منفی خیالات اور وسوسے دور ہونے لگے آپ کو محسوس ہوا کہ کائنات کی ہر شے سجدہ ریز ہے اور دعوتِ تسبیح و تہلیل دے رہی ہے۔

ایک وقت ایسا بھی آیا جبکہ آپ ایک سبز اور گنجان جھاڑی کے پاس دریا کے کنارے مصروفِ وظیفہ تھے کہ جھاڑی کی پتیوں سے لاالہ الااللہ کا ورد سنا آپ کو شبہ ہوا کہ قریب ہی کہیں خوش الحان بچے متحد ہو کر کلمۂ طیبہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ آپ نے جھاڑی کے ادھر ادھر دیکھا مگر وہاں کوئی نہ تھا۔ لیکن ذکر کی آواز مسلسل آرہی تھی۔ اس فوق الا دراک واقعہ نے آپ کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ شبہ ہوا کہ کہیں جنات وغیرہ ایسا نہ کر رہے ہوں۔ اس پر حسبِ نصیحت آپؒ نے تیسرا کلمہ تمجید پڑھا تاکہ اگر وسوسہ ہو تو دور ہوجائے ورنہ جو صورت ہو وہ اصلی حالت میں سامنے آجائے۔ چنانچہ آپ نے دیکھا کہ فی الواقعہ پتیاں ہی مصروفِ ذکر تھیں۔ اس کیفیت نے اللہ تعالیٰ کے پر تاثیر کلام کی معجز نمائی کا نقش آپ کے دل پر بیٹھا دیا اور آپ نے اپنے آپ کو اپنے رب کے

قریب پایا۔

اس پر کیف تاثر کو آپ نے ایک شعر میں بیان کیا ہے۔ راہِ سلوک میں آپ کا پہلا شعر ہے جو فی البدیہہ زبان پر جاری ہوگیا۔

نزد جائے گا شجر کے' جب تو مارے ہجر کے
بول اٹھے گا لا الہ ہوں گے تماشے ذکر کے

یہ واقعہ پابندِ شریعت ریاضت کے پانچویں دن نمازِ عشاء کے بعد پیش آیا۔ اس تجربے نے وجد و سرور کی سی کیفیت پیدا کردی۔ جس سے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی بھی ہوسکتی تھی۔ لیکن شریعت نے دامنِ دل مقام لیا۔ اور آپ کے دل نے آپ کو ایسے جذب سے روک دیا جس سے ارکان عبادت میں خلل پیدا ہوتا ہو۔ چنانچہ آپ سنبھل گئے دو رکعت نفل شکرانہ ادا کئے اور پھر مصروفِ ریاضت ہوگئے اس کے بعد کئی دفعہ یہ کیفیت پیدا ہوئی لیکن ہر بار قدرتِ کاملہ نے آپ کی مدد فرمائی اور ارکانِ عبادت میں کوتاہی سرزد نہیں ہوئی۔

آٹھویں شب کو دریا۔ ہوا اور جنگل کے درخت ہم زبان ہوکر نفی اثبات کا ذکر کرنے لگے۔ گویا آپ مکمل طور پر ہر چہار جانب کے ہجوم ذکر میں گھر گئے اور آپ کے بدن کا ہر بن مُو لاالٰہ الااللہ کے خارجی ذکر میں شریک ہوگیا۔ اس مقام پر ہوش برقرار رکھنا عام انسان کی طاقت سے باہر ہوجاتا ہے۔ مگر نورِ شریعت نے آپ کی حفاظت کی اور آپ کو فرض عبادات کی ادائیگی سے غافل نہیں ہونے دیا۔

گیارہ دن کی مسلسل ریاضت نے شریعتِ اسلام کی معیّنہ عبادات کی عملی تاثیرات پر آپ کے ایمان کو مضبوط اور مستحکم کردیا۔ اور یہ خیال بار بار آپ کے دل میں آتا رہا کہ شریعت اسلامیہ کس قدر پر تاثیر ہے کہ اسکی بدولت انفس و آفاق پر فتوحات حاصل کی جاسکتی ہیں۔

اس ریاضت کی تکمیل کے بعد جب آپ گھر تشریف لائے تو رات کا وقت تھا۔ والدہ گھر پر موجود تھیں لیکن گھر میں اندھیرا تھا۔ والدہ نے چراغ گل کر رکھا تھا۔ گھر میں قدم رکھتے ہی آپ نے والدہ کو آواز دی اور سلام کہا والدہ نے پوچھا کیسے آئے ہو؟ آپ نے جواب دیا اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے سرخرو ہوکر۔
والدہ نے فرمایا:
ادھر چراغ پڑا ہے۔ درود شریف پڑھ کر اسے پھونک مارو۔ آپ نے پھونک ماری تو چراغ جل اٹھا۔ والدہ بہت مسرور ہوئیں وہ اٹھیں اور فرطِ مسرت سے بیٹے کا منہ چوما اور اللہ تعالیٰ کے حضور سرِ نیاز خم کردیا۔

شریعت اور طریقت کی جامعیت ہی صراطِ مستقیم ہے علوم باطن کے ساتھ ساتھ علومِ شرعیہ کا حصول مردِ کامل کے لئے ناگزیر ہے اگر ایسا نہیں ہوگا تو تزکیۂ نفس اور صفائے باطن کی شرعی حیثیت نظر نواز نہیں ہوگی۔ پیر صاحب نے سلوک کی منزلیں بڑی کامیابی سے طے کیں مگر علومِ ظاہری کا حصول ابھی باقی تھا۔

علمِ لدنّی

کئی عارفانِ حق کو اللہ تعالیٰ نے کتاب اور استاد سے بے نیاز رکھا ہے۔

لیکن متاعِ علم سے محروم نہیں رکھا مولانا روم فرماتے ہیں۔

خویش را صافی کن از اوصاف خویش
تا بہ بینی ذاتِ پاک وصافِ خویش

اپنے آپ کو اپنے اوصاف سے صاف کر لے تاکہ اپنی پاک اور صاف ذات کو دیکھ سکے۔ یعنی اپنا دامن انسانی کمزوریوں سے صاف کر لے تاکہ اپنی روحانی بلندیوں کا نظارہ کر سکے۔

بینی اندر دل، علومِ انبیاء
بے کتاب و بے مجید و اوستا

(جب تو ایسا کرے گا) پھر تو انبیاء کے علوم اپنے دل میں پائے گا
بغیر کتاب کے۔ بغیر کتابِ مجید کے اور بغیر استاد کے

جب انسان مجاہدے اور ریاضت سے تقرب الٰہی حاصل کر لیتا ہے اور کمزوریوں پر قابو پاکر روحانی بلندیوں کو چھونے لگتا ہے تو اس کے لئے علم و حکمت کے کئی دروازے کھل جاتے ہیں۔ یہ دنیا عالمِ اسباب ہے ظاہر بین نگاہیں اسباب پر پڑتی ہیں لیکن حقیقت شناس لوگ جانتے ہیں کہ کار فرمائی اور کارسازی صرف مسبب الاسباب کے ہاتھ میں ہے وہ عالمِ اسباب کے اصول و آئین کا پابند نہیں ہے۔ وہ قادرِ مطلق ہے اور وہ جو چاہتا ہے اور جتنا چاہتا ہے عطا فرماتا

ہے۔

شیخ قرشی فرماتے ہیں۔

یہ علم اللہ کے اسرار میں سے ہے جنہیں وہ اپنے اولیائے معتبرین اور بندگانِ خاص کو بغیر سماعت اور تعلیم کے عطا فرماتا ہے۔"

پیر صاحب سورہ الکہف کا دوسرا چلّہ کرر ہے تھے کہ آپ کی ملاقات اس معلم خاص سے ہوئی جس کی پیش گوئی حضرت فقیر اللہ بکوئیؒ نے کی تھی۔ اس کے ذریعے آپ کو علمِ لدنی سے نوازا گیا۔ آپ کو قرآن مجید ازبر ہوگیا کونی اورامکانی علوم آئینہ ہوگئے اور آپ جس مضمون کو بیان کرنا شروع کرتے وہ کھلتا چلا جاتا۔

پہلا مرید اور خلیفہ

پشاور میں ایک صاحب تھے۔ عبدالرحمٰن ان کا نام تھا۔ انہیں خواب میں ارشاد ہوا کہ دیول شریف جاؤ اور پیر صاحب کی بیعت کرو۔ دیول شریف ایک غیر معروف جگہ تھی۔ وہ پوچھتے پچھاتے یہاں تک آپہنچے۔ کسی سے پوچھا پیر صاحب کا گھر کہاں ہے۔ جواب ملا ہم کسی پیر کو نہیں جانتے۔ اس نے پیر صاحب کا نام پوچھا۔ لوگوں نے اُسے آپ تک پہنچادیا۔ آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اس نے مرید ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے فرمایا:"میں نے کبھی کوئی مرید نہیں کیا۔ تم کیوں مرید ہوتے ہو" اس نے خواب کا واقعہ بیان کیا۔ آپ کو بھی پہلے بتایا گیا تھا کہ اس طرح کا ایک شخص آرہا ہے۔ اس کو مرید کرلینا چنانچہ وہ آپ کا مرید ہوا۔ اس کی عمر تقریباً" ۷۰ سال کی تھی۔

آپ نے اسے اسم اعظم وظیفے کے لئے دیا۔ اور اسکو خلافت بھی عطا کی۔ پھر یہ سلسلہ بڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ پیر صاحب کے مریدوں کی تعداد لاکھوں تک جا پہنچی۔ جن میں فوجی جرنیلوں کے علاوہ ممتاز علماء اور دانش ور بھی شامل ہیں۔ آپ کے خلفاء کی تعداد دس ہزار کے قریب ہے۔ اور یہ پاکستان کے علاوہ عرب۔ مصر اور آزاد کشمیر میں پھیلے ہوئے ہیں۔

کرامات:

جادۂ تبلیغ میں بعض ایسے مقامات بھی آتے ہیں۔ جب لوگوں پر دین کی صداقت اور حقانیت ثابت کرنے کے لئے فوق الفطرت واقعات ظاہر کرنے پڑتے ہیں۔ اگر یہ واقعات پیغمبروں سے ظہور پذیر ہوں تو معجزات کہلاتے ہیں۔ اور اگر اولیاء سے وجود میں آئیں تو کرامات کے نام سے موسوم ہوتے ہیں۔ معجزات قطعی ہوتے ہیں کیونکہ انکے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کی تصدیق چاہتا ہے۔

کرامت کسی ولی اللہ کی مستقل صفت نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت سے کسی ساعتِ خاص میں وجود میں آتی ہے۔

ایک مردِ قلندر تھے۔ جہانگیر شاہ ان کا نام تھا۔ وہ امراء اور افسران کے پیر مشہور تھے۔ شریعت کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ حقے کے بڑے شوقین تھے۔

پیر صاحب سے ان کی پہلی ملاقات راولپنڈی میں راجہ اعظم خان کے ہاں ہوئی۔ پیر صاحب نے انہیں پابندیِ شریعت کی تلقین فرمائی۔ وہ بولے "مولوی صاحب (پیر صاحب کو وہ مولوی صاحب کہتے تھے) چھوٹی عمر میں بڑی بڑی چھلانگیں نہ لگاؤ، گر جاؤ گے۔"

بعد میں ایک اور ملاقات میں جو کوٹ حاکم خان سرگودھا میں ہوئی۔ پیر صاحب شریعت کی بات کررہے تھے وہ حقہ پی کر دھواں پیر صاحب کی طرف چھوڑنے لگے غوث الاعظم جیلانی رضی اللہ عنہ اور پیر صاحب گولڑہ شریف کے بارے میں چند نازیبا الفاظ بھی ان کے منہ سے نکلے تو پیر صاحب غصے میں آگئے۔ آپ نے فرمایا "جو کچھ آپ میرے ساتھ کررہے ہیں وہ تو میں آپ کو معاف کرسکتا ہوں۔ لیکن جو گستاخی آپ نے ان بزرگوں کی شان میں کی ہے وہ ناقابل معافی ہے" جہانگیر شاہ کا ایک مرید بھی ان کے ساتھ تھا۔ وہ شاہ صاحب سے کہنے لگا آؤ جی چلیں اس پر پیر صاحب نے غصے سے کہا "چلے جاؤ تم بھی اور تمہارے پیر صاحب بھی"۔

جہانگیر شاہ اور ان کا مرید باہر نکلے اسی وقت آسمان سے ایک زنجیر اتری جس نے جہانگیر شاہ کو جکڑ لیا۔ یہ صورت حال بڑی دیر تک رہی۔ جہانگیر شاہ زنجیر میں گرفتار بے حس و حرکت کھڑے رہے۔ ان کا مرید پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے پیر کی طرف سے معافی کا طلب گار ہوا۔ جہانگیر شاہ خود بھی اپنی حرکت پر نادم ہوئے اور رہائی پائی۔

بعد میں انہوں نے نماز کی پابندی اختیار کرلی۔ سنت رسولؐ کے مطابق داڑھی بھی رکھ لی اور پیر صاحب کے نیازمندوں میں شامل ہوگئے۔ وہ پیر صاحب

سے بڑی محبت کرنے لگے۔ پیر صاحب بھی ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔

۷۸۶

بریگیڈئر گلسیر خان نون سینڈھرسٹ کے فارغ التحصیل فوجی افسر تھے۔ پیر صاحب سے ملے تو ہمیشہ کے لئے ان کے ہی ہو کر رہ گئے۔ فوجی افسروں میں یہ بات پھیل گئی کہ بریگیڈئر گلسیر ایک بزرگ سے ملے ہیں اور نماز روزہ کے پابند ہوگئے ہیں۔ چنانچہ اور افسران بھی پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ ان میں جنرل آدم بھی شامل تھے۔

ایک ملاقات میں پیر صاحب نے شریعت اور دین پر انہیں ایک گھنٹہ لیکچر دیا۔ لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ پیر صاحب نے غوث الاعظم جیلانیؒ سے مدد چاہی۔ آپ نے فرمایا اسے چند حادثات کی خبر دے دو چنانچہ جب جنرل آدم جانے لگے تو آپ پیر صاحب نے انہیں فرمایا جنرل صاحب آپ کے پاس قلم اور کاغذ ہے انہوں نے اپنے بیگ سے قلم اور کاغذ نکالا۔ آپ نے لکھا کہ فلاں تاریخ کو فلاں وقت آپ کو ایک حادثہ پیش آئے گا۔ اگر آپ صدقہ دیں تو اس سے بچ سکتے ہیں۔ جائیں اور بچنے کی تدبیر کریں۔

اس بتائی ہوئی تاریخ اور وقت پر جنرل صاحب اپنے دفتر سے باہر نہیں نکلے لیکن کچھ دیر بعد انہیں اطلاع ملی کہ ان کے دو بھانجے ایک حادثہ کا شکار ہوگئے ہیں۔

حادثہ کے بعد وہ پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ نے نہ آنکھیں بند کیں نہ مراقبہ کیا۔ آپ کو کیسے خبر ہوئی کہ حادثہ ہونے والا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ میرے وعظ کا آپ پر کوئی اثر نہیں ہو رہا میں نے غوث الاعظمؒ کی طرف رجوع کیا۔ تو آپ نے مجھے یہ خبر سنانے کا حکم دیا۔

دو لڑکیاں ایم اے نفسیات کی طالبات تھیں۔ پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئیں دوران گفتگو انہوں نے پوچھا کہ کرامت کیا ہوتی ہے۔

پیر صاحب اس وقت چائے نوش فرما رہے تھے۔ آپ نے پیالی ایک لڑکی کے ہاتھ میں پکڑا کر کہا کہ اس کو اچھی طرح دیکھو یہ کس چیز کی بنی ہوئی ہے۔

لڑکی بولی یہ بلور کی ہے۔

آپ نے فرمایا: اسے غور سے دیکھو۔

اس نے پھر کہا جی یہ بلور کی ہے۔

آپ نے فرمایا: یہ مجھے دے دو

پیالی پکڑ کر آپ نے فرمایا اب اسے دیکھو۔

وہ لڑکی حیران ہو کر چیخ اٹھی اور کہا پیر صاحب یہ تو سونے کی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ کرامت ہے۔

۷۸۶

پیر صاحب چلہ کاٹ کر واپس آ رہے تھے۔ راستے میں ایک برساتی نالہ پڑتا تھا۔ پہاڑوں سے بڑا زور دار ریلا پانی کا آ رہا تھا۔ مگر ایک لڑکی اس صورت حال سے بے خبر نالے میں بکریاں چرا رہی تھی۔ اس کے بہن بھائی اس کے ساتھ تھے۔ آپ نے کچھ پڑھا پانی رک گیا۔ لڑکی نے بھی دیکھا کہ ایک پہاڑ کا پہاڑ اس کے پاس آکر ٹھہر گیا ہے۔ وہ لڑکی بہن بھائیوں کے ساتھ بھاگ کر نالے سے باہر نکل آئی اس کا نکلنا تھا کہ پانی پھر اپنی رفتار سے بہنے لگا۔ وہ لڑکی آج بھی زندہ ہے اور اس واقعہ کی گواہی دے سکتی ہے۔

شخصیت

کشیدہ قامت ، سرخ و سفید رنگت ، متناسب اعضا ، سفید ریش ، سفید عمامہ ، بے داغ براق لباس ، سیاہ جبہ گفتگو میں ملائمت ، چال میں انکساری ، اتباع رسول ﷺ کے مظہر دلربا ، مسند ہدایت کی زینت جانفزا ، محبت و شفقت کے پیکر جمیل ، سلسلہ قادریہ کے شیخ جلیل ، ان کی نظر کیمیا اثر ، ان کے لفظ لعل و گہر ، ان کی صحبت گرہ کشا ، ان کا مسلک جود و سخا۔

بعض شخصیات ایسی ہیں کہ لفظوں کی گرفت میں نہیں آتیں۔ یہاں قلم بے بضاعت اور زبان عاجز ہو جاتی ہے۔ لیکن انسان ہے کہ پھر بھی کوشش کا

دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ درجِ بالا ایک نامکمل تصویر ہے۔ اس شیخِ عالی مرتبت کی جس کے حسنِ کردار اور خوبیٔ گفتار کی بدولت دنیا ان کے سامنے سرِ نیاز خم کرتی ہے۔

مخاطب کی ذہنی استعداد کے مطابق گفتگو کرنا بہت بڑا کمال ہے یہ نہ صرف متکلم کی علمی فضیلت کی گواہی ہے بلکہ زبان و بیان پر اس کی دستگاہ کی ضمانت بھی ہے۔ پیر صاحب گفتگو کرتے ہوئے مخاطب کی ذہنی سطح کا ہمیشہ خیال رکھتے ہیں۔ اگر سامنے شہرہ آفاق قانون دان اے۔کے بروہی یا معروف سائنسدان ڈاکٹر عثمانی ہوں تو ان کا اندازِ تکلم فلسفیانہ ہوتا ہے۔ اور اگر عام آدمی مخاطب ہو تو گفتگو سادہ اور عام فہم ہوتی ہے۔

ارشاداتِ عالیہ

○○○

فرمایا:

تحفظِ ایمان ' تحفظِ اسلام ' تحفظِ تصوف و طریقت اور ارتقاءِ روحانیت کے لئے بیعتِ طریقت بے حد ضروری ہے۔ چونکہ کسی مردِ بزرگ سے بیعتِ طریقت کے بعد ہم از سر نو تزکیۂ نفس بے ریا عبادات ' بے لوث خدماتِ انسانیت اور خدماتِ دین کا آغاز کرسکتے ہیں۔

○○○

فرمایا:

ہمارا ایمان ہے کہ احکاماتِ الٰہیہ کی اتباع کرنیوالے اللہ تعالیٰ کے ہاں سے اپنی قسمت سے کہیں زیادہ استفادہ کرسکتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لِانْ شکرتُم لاَزِیدَنکم اس کا صحیح ترجمہ یہ ہوگا کہ اگر تم خدائے ذوالجلال کی مہربانیوں کا شکرانہ ادا کرو گے تو البتہ ہم تمہیں بہت زیادہ دیں گے۔ اس آیۂ کریمہ میں شکرتُم سے ماحضر کا شکرانہ مراد ہے اور ہر ماحضر مالِ مقسومہ ہوتا ہے کہ جس کو انسان وصول کرتا ہے۔ یعنی اگر تم مالِ ماحضر یعنی مالِ مقسومہ کا جو

تمہاری قسمت میں لکھا جاچکا ہے۔ منشاء الٰہی کے مطابق صحیح شکرانہ ادا کرو گے تو ہم تمہیں بہت زیادہ دیں گے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اور تعمیلِ حکم سے یعنی شکر گزاری سے جو قولاً" اور فعلاً" ادا کرنے کا حکم ہے انسان کی قسمت بدل سکتی ہے۔

○○○

فرمایا:

مجالسِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان کو تازہ کرتی ہیں۔ یہ تبلیغِ اسلام کو مؤثر بنانے کا بہترین طریقۂ کار ہے۔ جس کی ادائیگی ہر مسلمان مرد اور عورت پر بہت ضروری ہے حتیٰ کہ ہمارے بچوں کو بھی اس میں حصہ لے کر حُبِّ نبی اکرم علیہ الصلوۃ والتسلیم سے اپنے دلوں کو تازگی بخشنی چاہئے تاکہ محبت نبی اکرم علیہ الصلوۃ والتسلیم بعد میں ان کے لئے عادتِ ثانیہ بن جائے۔

○○○

فرمایا:

ہمارا ایمان ہے کہ سرورِ کائنات فخرِ موجودات کے آداب کی بجا آوری کے لئے سلام بالقیام سب سے زیادہ موزوں اور احسن ہے وہ کون سا مسلمان ہے جو مسلمان ہوتے ہوئے بھی اپنے رسول مقبولؐ کے سامنے صلوۃ و سلام پڑھنے میں جھجک محسوس کرتا ہو۔ تصورِ نبی پاکؐ میں بھی کھڑا ہو جانا اہل عشق کی

عادات میں سے ہے بالخصوص آج کے زمانہ میں اہل سنت والجماعت کے پرکھنے میں یہ معیار ضروری ہوگیا ہے۔

○○○

فرمایا:

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خفی و جلی اذکار کو سنتے ہیں اور مہربانی فرماتے ہیں۔ ہمارے عقیدہ میں ذکر بالجہر برائے تاثر نیک اور برائے تبلیغ دین جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ بلند آوازوں سے تھکتے نہیں۔ نعوذ باللہ اگر یہ عقیدہ مان لیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی ذات میں نقص لازم آتا ہے اللہ تعالیٰ شور و غوغا سے نہیں تھکتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کی ہدایت کے لئے چاہتے ہیں کہ مومن کی زبان سے میرا ذکر بلند ہو اور دوسری مخلوقات مثلاً آتش و آب و باد و خاک جنات اور ملا ئکہ ان کے ذکر و اذکار کے گواہ بن سکیں، خلوت گاہوں میں خاموش ذکر کیا جائے اور جلوت گاہوں میں گواہی کے لئے بالجہر ذکر کیا جائے چونکہ دوسری کوئی مخلوق بھی خفی ذکر کی گواہ نہیں بن سکتی۔ حتیٰ کہ کراما" کاتبین بھی ذکرِ خفی کے گواہ نہیں بن سکتے جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ **کراما کاتبین یعلمون ماتفعلون** کہ کراما" کاتبین بھی تمہارے ان ہی اعمال کو جانتے ہیں جو تم سے سرزد ہوتے ہیں۔

ذکرِ خفی کا خدائے ذوالجلال خود گواہ ہے اور ذکرِ جلی کے خدائے ذوالجلال اور اس کی مخلوقات دونوں گواہ ہوجاتے ہیں ہمارا یہ عقیدہ عین اسلام ہے کہ خلوتوں میں خاموش ذکر کیا جائے اور جلوتوں میں ذکر بالجہر کیا جائے تاکہ خدائے

ذوالجلال اور اس کی مخلوقات دونوں کی گواہی میسر آکر ہماری بخشش اور نجات کا باعث ہوجائے۔

○○○

فرمایا:

اولیا اللہ کے تمام خانوادوں نے حسب حالات اوراد و وظائف، صدقات اور خیرات کے مختلف اور عین شرع طریقے جاری کئے مثلاً" محافل میلاد النبیؐ و عرائس اولیاء اللہ و مجالس و ختمِ غوثیہ اور گیارہویں شریف وغیرہ یہ سب تبلیغ اسلام کے لئے اجتماع مہیا کرتی ہیں۔ جن میں عوام و خواص دینی اور دنیوی استفادہ کرتے ہیں اور غربا کو ماکولات پارچات اور نقد وغیرہ کی صورت میں خیرات میسر آتی ہے۔ لہٰذا ان سے رفاءِ عامہ ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے ان کو اختیار کرنا عوام و خواص اور غرباء کے لئے باعثِ برکت اور باعثِ ہدایت ہے۔

گیارہویں شریف ایک صدقہ ہے جو شاہِ بغداد سید اولیا غوثِ اعظم سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسنی و حسینی نے خود ادا فرمایا اور بعد میں آپ کے معتقدین نے سنتِ مرشدِ عالی سمجھتے ہوئے اس کو اختیار کیا تاکہ زیادہ سے زیادہ غربا اور مساکین استفادہ کرسکیں۔

○○○

فرمایا:

آج اس دور میں تبلیغ کا بہترین طریقہ سلسلۂ طریقت ہے۔ یہ ایک

خاموش اور پرامن تبلیغ ہے جس میں انسانی جذبات کا پورا پورا احترام کیا جاتا ہے لہٰذا آپ سب مل کر انسانیت کو اس طرف پوری پوری دعوت دیں تاکہ جلد از جلد لوگ طریقت میں منسلک ہوکر زیادہ سے زیادہ تبلیغ دین میں حصہ لے سکیں اور محض رسمی پیری اور مریدی سے خود بھی مجتنب رہیں اور دوسروں کو بھی اجتناب کی تلقین کرتے رہیں۔

92

بسترِ رسولؐ جیسا نہ دنیا میں ہے
نہ ہوگا نہ کبھی کہیں تھا۔

1387ھ بمطابق 1968ء کو دنیا بھر میں نزول قرآن مجید کا چودہ سو سالہ جشن بڑے تزک و احتشام سے منایا گیا۔ 10 فروری 1968ء کو اسلام آباد میں بھی ایک عظیم الشان روح پرور کانفرنس شروع ہوئی۔ اس ساعتِ دلنواز کے موقع پر خواجۂ خواجگان شیخ المشائخ پیر صاحب دیول شریف مدظلہ العالی نے 13 مضامین قلم بند کرائے۔ ان میں سے تین مضامین قارئین کی خصوصی توجہ کے لئے زیرِ نظر کتابچے میں شامل کئے جارہے ہیں۔

92

(حاجی خلیفہ محمد نذیر احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ)

وہ مبیں حریم رسول شریف نبی کیا بات ہے

قرآن مجید اور فلسفۂ ریاست

قرآن مجید 'اسلامی ریاست کا تصور' ریاست کے باشندوں کو تسلیم ورضائے حق' اور ضابطہ احکاماتِ حق کے ساتھ فطری امور کی تدبیر حاکمیتِ عامۃ الناس کے ساتھ دیتا ہے۔ وہ حاکمیتِ مطلق کا سزاوار' اللہ تعالیٰ کو قرار دے کر حاکمِ مطلق کی حکمرانی کا غلبہ حاکمِ مجاز کے ذریعے کرانے کی پابندی عائد کرتا ہے۔ تاکہ اللہ کی مخلوق ریاستِ اسلامیہ میں امنِ عامہ کے ساتھ خدا کے مفوضہ منافعوں سے بے بہرہ نہ رہے۔ ریاست کی روحانی اور مادی صلاحیتوں کا منبع تعلیماتِ اسلامیہ کو قرار دیتا ہے۔ اس کے فطری زاویۂ نگاہ میں یہ منبع انسانی تعلیمات کا مصدر نہیں بلکہ خدائے برتر کی تعلیمات ہی ریاست کے علوم و فنون کا ذریعہ بنتی ہیں۔ اس مصدرِ تعلیمات کی سطح مرتفع خدا اور اس کے رسول ہیں۔ یہ اتنا بلند و بالا مقام ہے کہ کوئی بڑی سے بڑی بلندی و پستی یا طول و عرض اس کی زد سے نہیں بچ سکتے۔ صرف ریاست کے حاکم اعلیٰ کا حسنِ تدبیر اور مفکرین ریاست کی متحدہ تدبیر ان فطری ضوابط سے حصولِ استفادہ کی مجاز ہے۔ اس واسطے قرآن مجید ریاست کے عوام کے تعلیم و تربیت کے لئے ان میں سیادتِ حقہ کا انتخاب کرتا ہے اور سیادت کے جملہ اجزاء من حیث المجموع سید القوم کو

سونپتا ہے۔

قرآن مجید کا نظریۂ سیادت ریاست میں برائے سیادت نہیں بلکہ قرآن مجید سیادت کو خدمت کی اس عظیم سطح پر مامور کرتا ہے جہاں سے وہ اپنی بصیرتِ حاکمانہ کے ساتھ ہر اعلیٰ و ادنیٰ کو دیکھ کر اس کے حق میں بہتر فیصلہ دے اور ریاست کی دنیائے افادیت سے ریاست کے باشندوں کو مطلع کرسکے اور ان کے حصول کے لئے انہیں مختلف سازوسامان کے ساتھ آمادۂ کار کرسکے۔ اسی لئے سیادت کے انتخاب میں خدمت کو زیادہ لازم کیا گیا۔

سید القوم خادمھم کا اشارہ قوم کے صحیح خدمت گزار کی جانب ہے۔ وہی شخصیت ریاست میں سیادت کی حامل ہوسکتی ہے جو ارکانِ خدمت کو جانتی ہو اور ارکانِ خدمت کے حقوق کی مکمل رعایت کرتی ہو۔ اور اس کی خدمت ریاست کے باشندوں کو خود کفیل بنانے کی ضامن ہو۔ مثلاً اس کا صاحب علم و ہنر ہونا شفیق و غمگسار ہونا' محنتِ شاقہ کے ساتھ اظہارِ سیادت کرنا' اور سختیٔ منزل کو اپنے لیے متاعِ راہ جاننا اور خندہ پیشانی سے ہر حسن و قبح کا مطالعہ کرنا بلیغ النظری اور بلیغ العلمی کے ساتھ حالات کا جائزہ لینا اور ریاست کے باشندوں کو اس کے متعلق اپیل کرنا اور عملِ پیہم کے لئے صداقتوں کے ساتھ ان کی حوصلہ افزائی کرنا' جادۂ منزل پر چلنے کے لئے اعمالِ حسنہ اور حکمتِ صالحہ کے ساتھ انہیں تازہ دم رکھنا اور اصولی طور پر ابنائے ریاست کو راہِ زیست پر مسلسل چلتے رہنے کی ترغیب دینا اور قوتِ عامہ کو تدبیر سیاست سے بروئے کار لاکر قوم کو ترقیات کی راہ پر چلانا' ریاست کے انساق داخلیہ کو صحت مندانہ نہج پر قوی تر

بنانا اور ان کو اسلام کے منشائے عظیم سے باخبر رکھتے ہوئے فرائض اسلام کی ادائیگی کے لئے کار بند رکھنا وغیرہ

اللہ حاکمِ مطلق ہے۔ وہ اپنے مامور حاکمِ ریاست کو اپنی سنت کی طرف راغب رکھنے کی تعلیمات اسلامیہ کے ساتھ اس طرح دعوت دیتا ہے کہ اس نے خدائے مطلق کے سامنے ریاست کے ایک ذرے سے لے کر ریاست کی مجموعی حیثیت تک کی گواہی دینی ہے۔ اور اس سے خدائے مطلق ریاست کے چھوٹے بڑے امور کے متعلق ضرور باز پرس کرے گا۔

اس مقام پر حاکمِ مجاز عدل و انصاف کو ہر شعبہ زندگی پر جاری و ساری رکھنے کے لئے مجبور ہوجاتا ہے۔ حاکم مجاز کے سامنے سب سے بڑی امانت اللہ کے سامنے خوف و رجا ہے کہ غلطی پر اس سے باز پرس ہوگی اور اچھائی سے اس کو بڑے بڑے انعامات سے نوازا جائے گا۔ اسلام نے قرآن مجید میں ایسی سیادت کو جو اسلامی ریاست پر مبنی ہو ملک، امیر، حاکم اور سید القوم کے ناموں سے موسوم کیا ہے۔ کسی طرح بھی ریاست کا حاکم جو ریاست پر غالب ہوجائے چاہے وہ عامتہ الناس کی رائے سے سامنے آئے یا عامتہ الناس کو اپنی رائے میں لے لے یا حالات کی نزاکتوں کے پیش نظر ریاست کو بچانے کے لئے کسی صلاحیت کے ساتھ حاکم بن جائے۔ اس کا کسی صورت سے بھی سامنے آنا اسلامی نقطۂ نظر سے تقسیم قسمت کے باب میں اللہ ہی کی طرف سے مامور ہونا ہوتا ہے۔ سوائے اس سیادت کے جو ظلم اور عدوان کے لئے بروئے کار لائی گئی ہو اور اسلامی اقدار کے لئے مہلک ہو۔

خلیفہِ مجاز ہونا یا حاکمِ مجاز ہونا اسلام کی نظر میں ریاست کا کفیل ہونے کے مترادف ہے۔ اللہ اپنی تعلیمات کے ذریعہ اسلامی حکومت کو منشائے فطرت کے مطابق معرض وجود میں لاتا ہے۔ تاکہ افراد ریاست کو ہمہ گیر تدبر کی قیادت میں اس قدر ارتقائی حیثیت دی جائے کہ وہ اقوام عالم کے سامنے نمایاں ہوکر اپنی حکومتِ الہیہ ہونے کی شہادت بن جائے۔ یہ ریاست کی مجموعی حیثیت ریاست مین امن عامہ اور عدل و انصاف کے ساتھ سکون کامل پاتی ہے۔ اور دوسری جانب اقوام عالم کو دعوت حق دینے میں فوز عظیم پاتی ہے۔

قرآن مجید اپنی تعلیمات میں اقتدار برائے اقتدار کا مخالف ہے اور اقتدار کی موجودگی میں اختلاف برائے اختلاف کا بھی مخالف ہے۔ کیونکہ ان دونوں حالتوں مین ریاست بجائے تعمیر کے تخریب کا شکار ہوجاتی ہے۔ عوام الناس کی سیادت سید القوم کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگر سید القوم کامیاب ہے تو عوام کا کامیاب ہونا ایک لابدی امر ہے۔

سیّدِ قوم کے لئے اقتدارِ ریاست اور اختلافِ ریاست کا ہمہ وقت جائزہ لینا ضروری ہے تاکہ صحت مندانہ اختلاف یا صحت مندانہ اقتدار کا توازن بگڑنے نہ پائے یہی دو چیزیں حق و صداقت کی علمبردار ہوتی ہیں۔ ان دونوں قوتوں میں قومی احتساب کا ہونا نظریہ قرآن کے مطابق ہے۔ اختلاف کے بگڑنے پر جب وہ کسی ذاتی عصبیت کی بناء پر ریاست میں تخریب چاہتا ہو تو اقتدار کا عدالتِ عظمیٰ کی طرف سے احتساب کرنا ضروری ہوتا ہے اور اس حالت میں جب ـ اقتدار کسی بگاڑ کی صورت اختیار کرلے جو ریاست کی روحانی مادی اور

ارتقائی قدروں کے لئے مہلک ہو صحت مند اور تعمیر پسند اختلاف کا اس پر محاسبہ کرنا نظریہ قرآن کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ اقتدار و اختلاف دونوں کا ریاست کی نظریاتی اور فلاحی تعمیر سے تعلق ہوتا ہے۔

ان دونوں کے وجود کا تعلق لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتا ہے۔ ریاست میں اقتدار بالاستحکام لازم ہے۔ اور اختلاف بالاحتیاط اس لئے لازم ہے کہ جس اختلاف میں احتیاط نہ ہو وہ اقتدار کا دشمن ہوتا ہے اور اسلام میں ایسی دشمنی جو اقتدار ملکی کے خلاف ہو اس کو سخت قبیح اور شنیع جرم قرار دیا گیا ہے۔

اسلامی ریاست میں آئین فطرت کی ہر جز و کل کو عدالت عالیہ کی دفعہ قرار دے کر حاکم و محکوم دونوں کے فیصلے کیے جاتے ہیں مگر قوت حاکمہ ہر وقت عدالت عالیہ کے پاس ہوتی ہے اور خلیفہ مجاز اس عدالت میں اپنے مدعی اور مدعا علیہ کے سامنے بالکل عوام کی مانند جواب دہ ہوتا ہے اور اس جواب دہی میں وہ اپنی خجالت محسوس نہیں کرتا۔ اس واسطے کہ اس کا ضمیر اس کی رہنمائی کرتا ہے کہ تو کسی انسانی عدالت کے سامنے جواب دہ نہیں' بلکہ عدالتِ خدائے ذوالجلال کے سامنے جواب دہ ہو رہا ہے۔ جب حاکم و محکوم کے تصورِ ریاست میں اس قدر عدل گستریاں کار فرما ہو جائیں تو وہ ریاست کیوں حسنِ عمل اور حسن اخلاق کا نمونہ نہ بنے۔ یہی اسلام کا وہ طرزِ تمدن ہے۔ کہ تہذیب سماویہ کی بنیاد ڈال کر قرآن مجید کے فلسفہ ریاست کی ترجمانی کرتا ہے اور ریاست کے حاکم و محکوم کے نزدیک ریاست کا بنیادی تصور الملک للہ و الحکم للہ پر استوار ہو کر اوجِ کمال کی بلندیوں پر فائز المرام ہوتا ہے۔

صداقت ریاستؐ اصول کے ڈھانچوں میں ڈھل کر صحت مند بن کر سامنے آجاتی ہے۔ اسلام کا یہی حسنِ عمل ہے جس کو اپنے اور بیگانے اپنانے کے لئے بے کل ہوجاتے ہیں۔ صدرِ اول میں ریاست کا تصور اس طرح عملی صورت اختیار کرتا ہے کہ اس کا حاکم مجاز اللہ کا رسول ہے جو فطری ہدایتوں کے ساتھ دین کا آئین ہاتھ میں رکھ کر سرکیف لومتہ لائم سے بےنیاز ہو کر چٹائی پر بیٹھ کر جامۂ فقر زیبِ تن فرما کر میدان خدمت میں والہانہ انداز میں دوڑ پڑتا ہے۔

اس آخری سیادتِ کل کا چہرہ میدان خدمت میں گرد آلود ہے۔ مگر کیا مجال کہ دبدبہ شاہی کے ساتھ کہیں شائبتہ" بھی حکمرانی فرمائی ہو مگر اس کے ساتھ ساتھ حکمرانی ازلی و ابدی صورت میں کائنات کے حکمرانوں کو شرماتی ہوئی فرائض حکومت بھی انجام دے رہی ہے۔ اس میں سید العالمینؐ نے قلوب و اذہان پر حکومت حاصل کی۔ دوسرے حکمرانوں کے منصوبے جہاں ارب ہا روپیہ خرچ کرنے کے بعد بھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتے تھے وہاں اس محبوبِ کل کے اشاروں نے وہ کام سرانجام دلوادیے۔

یہ دلوں پر حکومت کرنے کا نتیجہ تھا۔ بظاہر حکومت کوئی بھی کرسکتا ہے۔ مگر دلوں پر حکومت کرنا تعلیمات قرآنیہ نے اعمال اسلامیہ کے ساتھ سکھایا۔ یہ انوکھی طرزِ حکومت صدر اول کی ریاست میں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے انجام دی۔ بظاہر ریاست کو دفاعی صورت بھی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ اور اس دفاع سے بالعموم جارحیت کے امکانات ہوتے ہیں مگر اسلام میں دفاع اسلامی

ریاست کے حق و صداقت کا امین ہوتا ہے اور وہ ہروقت اس امانت کی تکمیل کے لئے چست و چوبند رہتا ہے مگر اس میں جارحیت مطلقاً" نہیں ہوتی۔ اسلام میں ریاست کا تصور اپنی حدود کے اندر رہ کر عزت حاصل کرنا ہے۔ مگر اس کی روحانی سنجیدگی اور استقامت ظاہری دفاع سے کہیں بلند و بالا ہوتی ہے۔ اسلامی ریاست میں حاکم قوم کو بلا وجہ ملک سے باہر پاؤں پھیلانے کی اجازت نہیں دی جاتی بلکہ دوسری ریاستوں میں ظلم و عدوان بڑھ رہے ہوں تو ان مظالم کو تدبر اسلام سے دور کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

ادع الی سبیل ربک بالحکمتہ و الموعظتہ الحسنتہ وجادلھم بالتی ہی احسن ○

"یعنی تم لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف حکمت اسلامیہ اور موعظتِ اسلامیہ کیساتھ دعوت دو اور اس کے بعد ان کے ساتھ اس حالت میں کہ وہ راہ راست پر نہ آئیں جدال کرو وہ بہتر ہوگا۔"

اس آیت میں ریاستِ اسلامیہ کو فردا" و اجتماعاً دعوتِ حق دینے کے لئے تدبیر او حکمت کے ساتھ بلانے کی تعلیم دی گئی ہے اور پھر دوسری حیثیت قولِ جمیل کو دی گئی ہے۔ یعنی اسلام کی میٹھی میٹھی باتوں کے ساتھ جو حقائق سے مملو ہیں' دعوت دو یہاں حکمت و موعظتِ دونوں کو بیک وقت یا مختلف حالات میں پیش کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

حکمت میں خاموشی ' تقریر ' غلبہِ حق ' سامانِ خدمت ' جذبہِ محبت ' ترحم ' صلہ رحمی 'بیماروں کی خدمت ' جاہلوں کی تعلیم ' مسافروں کی خدمت ' مہمان نوازی ' خندہ پیشانی شفقت درافت ' عفو و درگزر ' عدل و انصاف ' جلال و جمال ' ترہیب و ترغیب ' سفر و حضر ' حسنِ مجلس حسنِ تجارت ' حسنِ حکومت ' حسنِ

کلام اور صبر و استقامت سب داخل ہیں۔ موعظتِ حسنہ میں اسلامی پندونصائح جملہ" شامل ہیں اور جادلھم کو دعوت حق کے لئے تیسرا مقام دیا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی تعلیمات انسانیت سے جدال نہیں چاہتیں بلکہ وہ حکمت اور موعظت کے ساتھ ہی انسانیت کو عدل و انصاف کی تعلیم دے کر اپنا ہمنوا بنانا چاہتی ہیں حکمت و موعظت کو ریاست اسلامیہ یا اس کے امراء اگر صحیح معنوں میں اختیار کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ بلا جدال وہ دوسری ریاستوں کو اپنا ہمنوا نہ بنا سکیں، یہی وجہ تھی کہ اخلاقِ اسلامیہ نے کروڑوں دلوں کو جدال وقتال کے بغیر جیت لیا۔

بد قسمتی سے جب اسلامی ریاستوں پر کوئی بری نظر ڈالے یا نقضِ امن کا باعث بنے اور حملہ آور کی صورت اختیار کر لے یا وہاں کی انسانی آبادی پر بار بار ظلم ڈھائے۔ ایسی حالت میں ان کو پیغام حق دینا اور انصاف دینا اسلامی ریاست کا فریضہ ہوتا ہے۔ مگر اسلامی ریاست کو حملہ کرنے میں پہل کرنے کی قطعاً" اجازت نہیں بلکہ حملہ آور سے دفاع کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

ایسی حالت میں ریاست کے ہر باشندے پر (جو جہاد کی صلاحیت رکھتا ہے) جہاد فرض ہوجاتا ہے۔ بہر حال اسلامی ریاست کا حاکم خلیفہ ہو یا مطلق العنان بادشاہ ہو یا دور حاضر کی صورت کا صدر ہو۔ ہر صورت اس کو صورت اسلامیہ کی تعمیل میں حکمرانی کرنی ہوگی۔ ان تینوں صورتوں میں حاکم قوم کا ایسا مطلق العنان ہوجانا جو خدائی تعلیمات سے برگشتہ ہوکر ریاست کی صلاحیتوں سے لاپروا ہوکر تعلیم و تربیت سے ہٹ کر خوف ورجا سے بے نیاز ہوکر ریاست کی

فلاح و بہبود سے مستغنی ہوکر اور خدمتِ انسانیت سے بے بہرہ ہوکر ریاست پر حکمرانی چاہے تو ایسی حکومت کو قرآن مجید کی نظر میں بے بنیاد قرار دیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی بنیادی حیثیتِ اسلامیہ سے ہٹ کر حکومت کرتا ہے۔ یہی حکومت اسلام کی نظر میں عوام کے حقوق غصب کرنے والی حکومت کہلاتی ہے۔

اسلامی ریاست میں اسلامی طرزِ حکومت شوری پر قائم ہوتی ہے۔ جس کو آج کی اصطلاح میں عوامی ریاست کی نمائندگی کرنے والی اسمبلی کہا جاتا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اسلام کی شوری میں نمائندہ قوم کا صاحبِ تدبر اور صاحب حل و عقد اور صاحب نظر ہونا اور نمائندگی کے لئے تربیت یافتہ ہونا ضروری امور میں شامل کیا گیا ہے۔

اسلامی ریاست میں حاکمِ ریاست کانجی طرز تمدن اور طرزِ تہذیب اگر اسلامی اخلاق کا گہوارہ ہو تو عوام کے لئے رہنمائی کا باعث ہوتا ہے۔ اس کا صاحبِ استقامت ہونا صاحبِ کلام، صاحبِ شجاعت ہونا اور مردِ میدان ہونا اور نوعِ انسانی پر ہر طرح ممیز ہونا اسلامی ریاست کی حوصلہ افزائی کے لئے بہت ضروری ہوتا ہے۔ اس کے اشارات و کنایات بھی قوم کے لے متاعِ ہدایت ہوتے ہیں۔ اس کا خفی و جلی طور پر ملکی حالات سے مطلع رہ کر انتظام ملکی کو سرانجام دینا موکد ہوتا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر وہ قوم کا مکرم ترین اور بزرگ ترین مقام حاصل کرلیتا ہے۔ اور یہی اس کی آسودگی حکومت کا سبب بنتا ہے۔

بغیر ان امور کے وہ حکمرانی میں آسودگی نہیں پاسکتا۔ اسلام کی مجلس

شوریٰ اپنے صدر یا خلیفہ قوم کے لئے صائب الراء ہوتی ہے۔ اس کی آراء پر وہ عوام کی حالت کا صحیح جائزہ لیتا ہے۔اور اس جائزہ کے بعد احکامِ صالحہ کی تنفیذ کرتا ہے اس کی بہت بڑی ذمہ داری ابنائے ریاست کے لئے ہوتی ہے کہ ہر فرد اپنی حالت میں مطمئن ہوکر ریاست کے امور میں محنتِ شاقہ کے ساتھ حصہ لے۔ صدرِ قوم کی اس محنت شاقہ کا نتیجہ بین الاقوامی سطح پر قوم کو معزز بنا دیتا ہے۔ اس کا یہ بھی فریضہ ہوتا ہے کہ قوم کے اعلیٰ اعمال کے ساتھ آنے والی نسلوں کے لئے تاریخ مرتب کرے۔

جو حاکم اعمال صالحہ کے ساتھ تاریخ مرتب نہیں کرسکتا وہ آنے والی نسلوں کا مجرم ہوتا ہے۔

اسلام کا سلسلۂ ریاست قیامت تک کی حدوں سے وابستہ ہے۔ ہدایت کی باریکیوں کو واضح ترکرنا بھی اس کے فرائض میں داخل ہے۔ تاکہ آنے والی نسلیں آسانی کے ساتھ ان خطوط پر چل کر مزید ترقی کرسکیں۔ حاکمِ قوم کے لئے جدید تقاضوں کو سمجھنا اور اپنی قوم کو جدید تقاضوں کے مطابق دعوت فکر و عمل دینا اشد امور سے ہے جو حاکم اپنی قوم کو جدید ترین تقاضوں سے بہرہ ور نہیں کرسکتا۔ وہ ریاست کو ناگہانی موت کے لئے تیار کرتا ہے۔

قرآن مجید اسلامی ریاست میں صنعت و حرفت کو فروغ دینے پر زور دیتا ہے۔ اور ہر زمانے کے ان جدید تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ان جملہ حالات سے دوچار ہونے کی تعلیم دیتا ہے۔ جو فکرِ انسانی کی کوششوں کے نتیجہ میں جدید صورت میں رونما ہوکر سامنے آچکی ہیں۔ اور جن سے " انسانیت علیٰ منہاج

فطرت" استفادہ کررہی ہے۔ ان سب کے حصول کی نشان دہی قرآن مجید کرتا ہے۔

مثال کے طور پر اقوام عالم کی زندہ ریاستوں نے زندہ معاشرت کے ساتھ میدانِ حکمت اور میدانِ صنعت و حرفت میں جن چیزوں کی تحقیق کی وہ تحقیقات عملی صورت میں میدان انسانیت میں روبہ عمل آتی ہیں۔ سفر و حضر میں کام آرہی ہیں۔ اور تجارت، صنعت و حرفت، زراعت، برو بحر اور فضاؤں میں متشکل حیثیت میں متحرک نظر آتی ہیں۔ قرآن مجید نے ان سب کی نشان دہی کردی ہے۔ اور بار بار سخر کے الفاظ ہر چیز کے ساتھ مربوط فرما کر تسخیر کائنات کی دعوت دی۔ چونکہ یہ جملہ سامان کائنات جو عقل انسانی نے مہیا کیے ریاست کے عوام کی آسائش کے کام آنے والے ہین اس واسطے ریاست کے انتظامات میں جدید تقاضوں کو شامل کرنا حکومت کے حسنِ کارکردگی کا ایک نمایاں حصہ ہے۔ لہٰذا اسلامی ریاست کے تصور میں اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہر جدید چیز کو حاصل کرنا منشائے ریاست میں داخل ہے۔

ریاست مجموعی قوت کا نام ہے جو مجموعی فکری قوتِ انسانیہ کے ساتھ محیر العقول کارناموں سے دنیائے انسانیت کو اسلام کی طرف مخاطب کرسکتی ہے۔ فلسفہ ریاست حسن انتظام کے ساتھ علم و عمل کو بروئے کار لانے کا ضمنی نام ہے، ریاست کی امامت حکمران کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اس واسطے وہی مرجع الحالات ہوتا ہے اور اس کی ذات اپنے دفاع اور جملہ کارکردگی کے ساتھ مرجع الحالات ہوتی ہے۔ قوم کی مایوسی اور امید کا منبع وہی ہوتا ہے۔ تمام اخلاق اور بد

اخلاقیوں کی ذمہ داری اسی پر عائد ہوتی ہے۔

قرآن مجید کا فلسفۂ ریاست، خلافتِ ارضی پر مختلف حالتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ خلافتِ کبریٰ کا مجاز انسان ہے اور اس خلافت کبریٰ کی انجام دہی کے لئے اسے تقویٰ کے ساتھ حکمرانی کرنے کی تاکید کی جاتی ہے۔

وعلم ادم الاسماء کلها O

کائنات ارضی پر تصریحات حاصل کرنے کے لئے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو جملہ مسمیات کا علم عطا فرمایا گیا۔

اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ قرآن مجید کی تشریحات میں مخلوقات کی تشریح انسان کے لئے ضروری ہوئی۔ علم الٰہی بہ انداز الہام کلام کی صورت میں اور نصاب تعلیم کی صورت میں انسانیت کو دیا جاتا ہے۔ مگر اس کی صورت مختصر ہوتی ہے اور اسماء کلہا میں کتاب زندگانی کی ظاہری و باطنی صورت اور عالمین کی ظاہری و باطنی صورت اجزائے تحلیل کی صورت میں خلیفۃ الارض کے سامنے رونما ہو جاتی ہیں۔ اس کے بعد انہیں استخلاف ارضی کا سزا وار قرار دیا جاتا ہے۔ اس واسطے علم الاشیاء کی تعلیم و ترویج کا ریاست میں اہتمام کرنا حاکم ریاست کے فرائض میں داخل ہے۔ سائنس کی تمام تر معلومات کا ثبوت اس آیت سے میسر آجاتا ہے۔

قرآن مجید، آئینِ ریاستِ اسلامیہ ہے اور پوری انسانیت کو ریاست اسلامیہ کے اعمال کے ساتھ اپنی جانب دعوت دیتا ہے۔ قرآن مجید چاہتا ہے کہ اس کے پیروکار "انفس و آفاق" پر غالب ہوکر خدا کی حکمرانیِ مطلق کا ثبوت

پیش کریں۔

چونکہ دورِ حاضر میں خلافتِ اسلامیہ کی اصلی حیثیت بظاہر معدوم العمل ہے۔ اس واسطے دورِ حاضرہ کی اسلامی ریاستوں کے لئے سیادت کے انتخاب پر طرز صدارت کی حکومت ہی قرین خلافت ہوسکتی ہے۔ اس لئے کہ اس میں بہ نسبت دوسری جمہوریتوں کے ضوابط زیادہ ہیں اور یہ مجموعہ قوت بننے کی ایک اچھی صورت ہے۔

آج اسلامی ریاستوں کے صدر رائے عامہ سے سیادت حاصل کرتے ہیں یا نزاکت حالات کے مطابق رائے عامہ کو ہمنوا کرلیتے ہیں۔ان دونوں صورتوں میں وہ عوام کے دلوں کی ترجمانی کرسکتے ہیں۔ اگر تھوڑی تدقیق کے بعد وہ اپنی شوریٰ یعنی نمائندہ قومی اسمبلیوں کو تربیت فکر و عمل دیں جو اسلامی مزاج کے مطابق ہو تو صورتِ خلافت، صورتِ صدارت میں بروئے کار آسکتی ہے۔ اور یہی صحت منداہ طرزِ حکومت اپنی ریاستوں میں خلافت کے لئے راہیں مہیا کرسکتی ہے۔

اس کے لئے قرآن مجید کی تعلیمات صحت مند مفکرین کے حوالے کرنا ضروری ہے۔ اگر ریاست ہائے اسلامیہ متحدہ طور پر صالح مفکرین اسلام پر مشتمل ایک مرکزی تحقیق گاہ بنالیں اور اس کے ذریعہ قرآن مجید کے ان احکام کو یا اس کی جملہ دفعات کو اسی کی ترجمانی کے مطابق ہر زمانہ کے حالات پر منطبق کرتے ہوئے عالم انسانیت کے سامنے پیش کریں، تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان انسانیت کی امامت پر فائزنہ ہو۔

اسلامی ریاست میں جمہوری پارلیمانی طرز حکومت ہو یا صدارتی طرزِ حکومت دونوں میں اسلامی مزاج رکھنے والی شوری اہم ہے۔ زمانہ کی مجبوریوں کے پیش نظر حالتِ اضطراب میں اگر طرزِ خلافت نہ میسر آسکے تو بھی طرزِ خلافت کے نظریہ کو اسلامی ریاست کے اکابر اور عوام کے ذہنوں میں محفوظ رہنا چاہئے۔ ایسی حالت میں جمہوری پارلیمانی طرز حکومت یا صدارتی طرز حکومت دونوں کو عوام کی رائے پر حکومت مرتب کرنی چاہئے اور ان کا آئین اور منشور بالکل کتاب و سنت کے مطابق ہونا چاہئے تاکہ ریاست اندرونی اور بیرونی طور پر اسلامی عدالت کو منوا سکے۔ اگر ریاست اسلامی اقدار عدالت اور طرز حکومت کو نہ منوا سکے تو یہ اس کی اسلامی کم فہمی پر منتج ہوگا۔ خدانخواستہ اگر اسلامی ریاستیں کسی طرز حکومت سے بھی اسلامی ریاست کی ترجمانی نہ کرسکیں تو یہ مسلمانان عالم کی بد قسمتی ہوگی۔ حالانکہ اسلامی حکومتوں نے اعلیٰ سیاسی انتظامات کی ساتھ حکومت کرنا انسانیت پر ثابت کردیا تھا۔ متاخرین مسلمانوں نے آج کے دور میں مغربی طرز حکومت کو اپنانا شروع کردیا۔ جس سے اسلامی ریاست سے اجنبیت کی صورت پیدا ہوگئی۔ اور مسلمانوں کو اس کے تواتر سے الگ ہوکر سیاستِ اسلامیہ کے سمجھنے میں زیادہ الجھنا پڑا۔ اس الجھاؤ نے ہمیں منزل سے کافی دور کردیا ہے۔ جب تک از سر نو طرزِ خلافت کی طرف مسلمانان عالم متوجہ نہ ہوں گے وہ آئے دن غیر اسلامی رسوم حکومت کا شکار ہوتے رہیں گے۔ اور آنیوالی نسلیں سیاست کے حق و باطل سے بے خبر رہ کر اسلامی تہذیب و تمدن سے محروم ہوتی چلی جائیں گی۔ اور اس کی ذمہ داری اکابرین اسلام پر ہوگی۔

مناسب ہے کہ اسلامی ریاستیں پارلیمانی طرز حکومت یا صدارتی طرز حکومت کے ساتھ عوام کی رائے پر حکومت کریں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی اسمبلیوں میں تربیت یافتہ افراد کو شامل کریں اور آئین میں انہی لوگوں کو نمائندگی کا انتخاب لڑنے کے اجازت دی جائے جو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں سیاست اسلامی اور حالاتِ زمانہ کے مطابق سیاست کی عملی فضیلت پا چکے ہو اگر اسلامی ریاستیں اسمبلیوں کو اسلامی شوری کی حیثیت نہ دے سکیں تو ایسی حالت میں خطرناک قسم کے حالات بھی پیدا ہو سکتے ہیں، جو اسلامی تعلیمات کے لئے مہلک ترین شکل اختیار کرسکتے ہیں۔ اگر صدارتی طرز حکومت جو قرین خلافت ہے عوام سے رابطہ قائم نہ کرسکے، اور مذکورہ دستور العمل کے مطابق رائے نہ لے سکے تو یقیناً" صورت حالات سخت ترین ہوجائے گی۔ اور پھر ایسے حالات کا تحمل معدوم ہوجائے گا۔ چونکہ ملک و عوام کا کندھا اتنے نازک ترین حالات کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ دونوں قسم کی حکومتوں کے صائب الرائے شوریٰ کے بغیر حکومت گراں بار ہوسکتی ہے۔ ریاست اسلامیہ میں عوام کی قدر مشترک صرف اسلام ہے۔ اگر داخلی قدر مشترک پامال ہو جائے تو نظریات حکومت دوسروں سے مستعار لئے جائیں گے۔ اور یہی بنیادی غلطی ہے۔

قرآنِ مجید اور معاشرتی انقلاب

قرآن مجید اپنے حرف اول سے لے کر حرف آخر تک ایک اعجاز عظیم ہے۔ قرآن مجید کا انقلاب انگیز نزول عالم فطرت میں ایک ایسے عظیم معجزے کی صورت میں نمودار ہوا۔ جس کی اعجاز انگیزی عقول کے سامنے حتمی دلائل کے ساتھ اور سند ربانی ہونے کے ساتھ انسانیت کی راہنمائی کے لئے ایک ایسے نازک ترین دور میں انسایت کے سامنے پیش کی گئی جب انسان ایسے تاریخی حالات سے گزر چکا تھا جن میں انسانیت کا ماضی بار بار فطری ہدایات پانے کے بعد گمراہی کا شکار ہو کر اپنی عادات انسانیہ سے اتنا مجبور ہو چکا تھا کہ سلاسل نفس اور سلاسل شیطنیت سے آزادی حاصل کرنا اس کے ضابطہ عمل سے باہر تھا۔

جب انسانیت ایک فعل کو عادت ثانیہ بنالیتی ہے تو معاشرہ اس مجموعی عادت کی لپیٹ میں آکر اسی عادت مذمومہ کو اپنا مذہب سمجھ لیتا ہے۔ ہمیشہ انسانیت اسی عادت نفسانیہ کا شکار ہو کر راہ حق سے بھٹکتی رہی ' اپنے فطری امن و عافیت کو خواہشات اور لذات کی بھینٹ چڑھاتی رہی اور تدریجا" نوع انسانیت کو متاثر کرتی رہی۔ ان تاثرات نے ایک طرف اپنے تہذیب و تمدن انسانیہ کو فطرت کی بناؤں پر تعمیر نہ ہونے دیا ور دوسری طرف روحانیت کی اس جمیل ترین

صورت کو بگاڑتی رہیں جو انفس و آفاق کو عبور کرنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔

جس روحانیت کی ذمہ داری فکر و نظر اور عالم ہست وبود سے گزر کر حقیقت حقہ تک رسائی حاصل کرنا تھی وہ نفس کے موہوم اور مخترع خیالات کا شکار ہو کر دنیا کی اس پستی میں کھو جاتی رہی جس کا درجہ عمومیت انسانیہ سے گزر کر بہیمیت کی صورت اختیار کرتا رہا۔

انبیاء کی مختلف بستیوں اور شہروں میں بہ تکرار بعثت اور ان کا جائزہ اور ان کی تبلیغ، صحف سماویہ کی صورت میں شاہد ہے کہ انسان بار بار اس طرح گمراہی اختیار کرتا رہا کہ وہ حیوانیت سے متاثر ہو کر انسانیت کی تذلیل کرنے لگا۔

قرآن مجید نے ایسے حالات اختیار کرنے والے انسانوں کو کالا نعام بل ھم اضل کے ساتھ تعبیر کیا ہے جو صورت جسمانی، صورت روحانی، صورت عقلی، صورت عملی، صورت فنی، صورت اخلاقی، صورت تہذیب اور صورت تمدن ایسے اذہان کا شکار ہونے کے بعد گمراہی کی ایک جیتی جاگتی صورت بن جایا کرتے ہیں۔ چونکہ انسان زمین پر ہر حالت میں متصرف رہا ہے۔ اگرچہ اس کا تصرف منقطع حیثیت میں متفرق تھا اور تالیف و یگانگت سے بالکل جدا تھا۔ پھر بھی کرمنا بنی ادم کے ضمن میں وہ جبلتہ "مدنی الجبال رہا ہے۔

چنانچہ اس فطری اصول نے اس کو قریہ بہ قریہ اور ٹولی ٹولی کی صورت میں سیادت کرنے کا جذبہ دیا یہ سیادت ایسے حالات میں اس قدر مسموم ثابت ہوتی رہی جس سے انسانی صلاحیتیں ہمیشہ سربازار پامال ہوتی رہیں۔ عوام الناس کی صلاحیتوں کو ہمیشہ ان سیادتوں کی بھینٹ چڑھنا پڑا اور وہ عشرت خانہ سیادت کا

شکار ہوتی رہیں گویا یہ غیر مہذب سیادتیں انسانی جسم و جان کا مقتل تھیں۔

فطرت کی آنکھ بار بار انسانیت کی اس بربریت کا نہایت صبر و حلم کے ساتھ مطالعہ کرتی رہی' ابنائے انسان کو حالات کے ساتھ بدلنے کا موقع دیتی رہی اور حالات کے ساتھ وسائل بھی مہیا کرتی رہی۔

کار ساز فطرت نے انسانی فکر کو انسان کا ہادی بنایا۔ ہر فرد پر اس فکر انسانیہ کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ استدلال کے سامنے اپنی فطری ہدایت کے ساتھ ہتھیار ڈال دے۔ اس نظریہ کو بربریت پسند انسانوں نے بھی ہمیشہ تسلیم کیا مگر بکمال آئین فطرت نہ ملنے کی بنا پر اذہان کی تختی حقائق کے سامنے سر بسجود نہ ہو سکی۔ انسانی اذہان کے مطالبات ان کی عملی صورت میں تاریخ انسانیت کے ذریعے آج بھی ہمیں میسر آتے ہیں۔ چنانچہ ارض و سما کی مختلف چیزوں کو معبود کا نام دینا اور ان کی پرستش کرنا ان کے اس جذبہ باطن کی تعبیر ہے کہ وہ الوہیت پسند تھے۔ مگر ماحول کی بداخلاقیوں اور ہدایت کا بکمال نہ ملنا حالات کا ساز گار نہ ہونا اور حتمی اعمال کے ساتھ رہنمائی کا فقدان صراط مستقیم پر آنے میں ہمیشہ ایسے لوگوں کے سامنے سد باب بنتا رہا۔

خالق کائنات اپنی مخلوقات کو جانتا ہے اور وہی علیم بذات الصدور ہے۔ اس لئے ہدایت انسانیہ کے لئے مختلف ادوار میں مختلف انبیاءؑ کے ذریعے دعوت حق دینا اس بات کی بین دلیل ہے کہ خدا نے انسانیت پر اپنی رحمت کو کبھی بند نہیں کیا۔ اور اللہ کی اس عادت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان خود بخود ہدایت سے مفر اختیار کرتا رہا۔

اصولاً رہنمائی کے بعد ضد انسانیہ کا سامنے آنا اور معاشرے کا ضد نفسانی کے ساتھ حق سے نبرد آزما ہونا ایک ایسی حیثیت جاہلانہ پیدا کردیتا ہے جس سے شرافتِ انسانیہ اور تکرمِ انسانیہ بیمار پڑ جاتے ہیں جس کو ایک عظیم طبیب کی ضرورت درپیش ہوتی ہے۔ یہ طبیب فرد انسانیہ کا نہیں بلکہ اجتماعِ انسانیہ کا معالج ہوتا ہے۔ اس کے نزدیک ابنائے وطن، ابنائے ریاست یا ابنائے اجتماع انسانیہ ایک بدن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور وہ اس بدن کا اپنی حکمت و موعظت کی ساتھ ایسا علاج کرتا ہے۔ جس سے اذہان میں تغیر و تبدل پیدا ہوتا ہے۔ اس کو انقلاب ذہنی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ذہن انسانی موم بتی کی طرح ہے کہ دباؤ پڑنے سے جھک جاتا ہے۔ اگر اس پر باطل کا دباؤ پڑے تو بطلان کی طرف جھک جاتا ہے اگر اس پر حق کا دباؤ پڑے تو وہ حقانیت کی طرف جھک جاتا ہے یہی جھکاؤ فرد سے اجتماع مین مبذول ہوکر قوم کی عادتِ ثانیہ بن جاتا ہے جس کو کسی انقلاب آفرین دلیل سے اور انقلاب آفرین عمل ہی سے حق کی طرف موڑا جاسکتا ہے۔

پروردگارِ عالم اپنی اس عادتِ کریمانہ کے ساتھ نوع انسانیت کے اذہان پر دلائل و براہین حقہ کے ساتھ موعظت فرماتا رہا اور اذہان کو بار بار اپنی طرف متوجہ کرتا رہا۔ اسی تکرار فطری نے انسان کو ہمیشہ حق کے لئے آمادہ رکھا۔ اگر یہ تکرار موعظت متواتر جاری نہ رہتا تو انسانیت کبھی تکرم انسانیت کا سراغ نہ پاسکتی اور ہل هم اضل کا مکمل شکار ہوجاتی۔

اس ہادیانہ شعاعِ حق نے انوارِ قلوب کو ہمیشہ چمکایا اور شعاعِ باطن کو

روشن کیا۔ یہ روشنی صحتمند عقول و قلوب میں اس طرح محفوظ رہی جس طرح آفتاب عالمتاب کی روشنی اس کے غروب ہونے کے بعد ذرات کے سینوں میں پنہاں ہوجاتی ہے۔ یہی پنہانی حرارت زمین کی روئیدگی میں کار فرما ہوکر حیات جسمانیہ کو برقرار رکھتی ہے۔ جس کا مطلب فطرت کی نظر میں یہ ہوتا ہے کہ زمین کے ذرات کی حرارت پر جب بھی موسم بہار آئے ان میں اس سے استفادہ کرنے کی صلاحیت موجود رہے۔ من و عن اولاد آدم انبیاء کی ہدایات سے جو طلوع ہو کر غروب ہوتی رہی۔ انسانی سینوں مین اپنی حقانیت کی حرارت چھوڑتی رہی۔ جس کے نتیجے میں انسانیت گمراہی کی موجودگی میں مائل بہ حق رہی تاکہ دوسرے آفتاب ہدایت کے طلوع ہونے تک اس میں حرارت حق کے آگ سلگتی رہے۔ اور حیات بخش جذبات کی متاع اس کے پاس موجود رہے اور اس کے ساز زندگی میں وہ آوازیں باقی رہیں کہ آنے والا اپنی انقلاب انگیز دعوت سے اس آگ کو سلگا سکے۔ اور اس ساز زندگی کو بجاسکے اور ان نغمات انسانی کو فضائے روحانیت میں ارتعاش دے کر انسان کو اپنی حقیقی تہذیب و تمدن کی طرف بلائے اور اسے اپنی فطری صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی تلقین کرے۔ جزوی طور پر ہر نبی کی بعثت کسی قریہ یا شہر کے لئے یا ملک کے لئے انقلاب انگیز تھی۔ یہ انقلاب مادی نہیں بلکہ روحانی انقلاب تھا۔

روحانی انقلاب سے زمرۃ الانسان میں انبیاء کے ذریعے انقلاب لانے کی حکمت خداوندی یہ تھی کہ روح لازم اور مادہ ملزوم ہے۔ جب لازم میں انقلاب آجائے، تو ملزوم انقلاب سے بچ نہیں سکتا۔ اس واسطے کہ ہر ملزوم اپنے لازم

کے ساتھ ہوتا ہے بغیر لازم کے ملزوم کا وجود محال ہے۔ عقائد کا انقلاب موہوم خیالات پر ہوا۔ انسانیت کی توہم پرستی کہیں پتھر کی مورتیوں اور کہیں سونے چاندی لوہے اور پیتل کی مورتیوں کو اور کہیں اپنے جیسے انسانوں کو، کہیں شجرو حجر کو کہیں دریاؤں اور ستاروں کو پوجتی تھی کہیں حیوانیت کی پرستش ہوتی تھی۔ اور ذلیل سے ذلیل ترین اطوار پرستش کے لئے مہیا کیے جاتے تھے۔

ان حالات میں عادت انسانیہ کا گوشہ عقل ایسے اعجاز انگیز آئین کے انتظار میں تھا جو اس کو اپنی سچائیوں کی ساتھ مطمئن کرتے ہوئے راہ راست پر چلانے میں تحریص و ترغیب دے سکے۔ تورات، انجیل، زبور اور جملہ صحف سماویہ ایک مکمل ضابطہ حیات کے مختلف اجزاء تھے جو اپنے زمانوں میں تبلیغ کے فرائض انجام دیتے رہے اور ان کے مبلغ عظیم المرتبت انبیاء تھے۔ تاریخ عیسوی زمانے کے سامنے اپنے آئین اپنے جزوی اور کلی آمین اور جزوی عمال کی ترجمان ہے کہ اس سے انسانیت کو کامل طمانیت میسر نہ آسکی۔

آئین کے لئے انسانیت تشنہ لب رہی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل تورات اور اہل انجیل سے وعدہ فرمایا تھا کہ تمہیں ایک آخری نبیؐ کے ذریعے آخری کتاب دی جائے گی۔ اس لحاظ سے وہ مکمل آئین فطرت کتاب کی صورت میں موعود ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو اس طرح پورا فرمایا:

ذالک الکتاب لاریب فیہ وعدہ ربانی کا آخری نبیؐ اور آخری کتاب کی صورت میں پورا ہونا، اعجازِ قدرت اعجازِ نبوت اور اعجازِ کتاب تھا۔ اس حالت میں ظاہر

ہے کہ قرآن مجید کا حرف اول انقلاب انگیز تھا۔ جس نے پوری دنیا کے اذہان کو ایک کتاب' ایک نبیؐ اور ایک خدا کی طرف مبذول کردیا۔

قرآنی تعلیمات میں عقائد اسلامیہ ایک حتمی نظریہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آج تک دنیا کا کوئی آئین یا منشور بغیر نظریہ کے مرتب نہیں ہوسکا۔ ہر آئین ' ہر منشور یا اس کی غرض و غایت کا پس منظر ایک نظریہ ہوتا ہے۔ اور اسی نظریہ پر منشور مرتب ہوتا ہے۔ منشور اس تفصیلی عمل کا نام ہے جس پر دعوتِ عمل دی جاتی ہے اور یہی دعوتِ عمل تہذیب و تمدن کی بنیاد ڈالتی ہے اور پھر تہذیب و تمدن ہی نظریات کے مکمل اور نامکمل ہونے کا مظہر ہوتے ہیں جس قوم کے تہذیب و تمدن میں اخلاق کا فقدان ہو ' وہی فقدانِ اخلاقی نظریہ قوم کے ضعیف ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔ نظریہ منزل چاہتا ہے۔ منزل جتنی چھوٹی ہوگی نظریہ بھی اتنا ہی چھوٹا ہوگا اور منزل جتنی طویل ہوگی۔ نظریہ بھی اتنا ہی طویل ہوگا۔

نزول قرآن مجید سے قبل اور بعثت نبی آخر الزماں سے قبل تمام منازلِ اقوام ' نظریۂ فطرت انسانیہ کے سامنے چھوٹی منازل تھیں جن پر انسان وسعتِ نظر کے ساتھ اپنے افکار کے گھوڑے نہیں دوڑا سکتا تھا۔ اس کے افکار کے گھوڑے مختصر منزل پر رک جاتے تھے اور یہ محدود جادۂ انسانیت کو مطمئن نہ کرسکا۔

اس نظریۂ فطرت کے پیش نظر مزاجِ انسانی کے مطابق پروردگارِ عالم نے قرآن مجید جیسے حتمی ضابطہ حیات کے ساتھ عقائد کا وہ لامتناہی نظریہ پیش کردیا جس کی حدیں یوم النشور تک طویل کردیں اور طمانیت کی انتہا اور لافانی منزلِ

خوشنودیِ رب کے ساتھ آخرت کو قرار دیا تاکہ فکرِ انسانی کو افکار کی رفتار تیز رکھنے میں کبھی رکاوٹ محسوس نہ ہو اور وہ زندگی کے مختلف مراحل سے گزرتی ہوئی اپنے رب کی جستجو میں سرگرم عمل رہے۔

چنانچہ قرآن مجید نے عقائد پر سیر حاصل بحث فرمائی اور قرآن مجید کا سب سے پہلا مخاطب انسان ہی قرار پایا جس کے عقل و دل و نگاہ کو **لا معبود الا اللہ اور لا مقصود الا اللہ** کے رموز سے باندھ کر جادۂ زیست پر اپنی مجوزہ عبادات ' معاملات معاشرت اور اخلاق کی سبیلوں پر چلا دیا۔

چونکہ انسان اپنے ماضی کی عادت میں اپنے نامکمل نظریات کے ساتھ نامکمل عبادات ' نامکمل معاملات اور نامکمل معاشرت سے مانوس تھا۔ اس نامکمل انس کی بیخ کنی کے لئے ایک کامل نظریہ کے ساتھ اسے کامل اعمال سے نوازا۔ اس نورانی عقیدہ نے ذہن انسانی کو سچی عبادتوں کے ساتھ خدا سے مانوس کردیا۔ جس کے نتیجہ میں آغاز اسلام صدر اول کے دور میں اپنے معاملات فطریہ اسلامیہ پر حاوی ہوگیا اور اسلام کی تہذیب و تمدن اپنے فطری خطوط پر مرتب ہونا شروع ہو گئی۔ آغاز عمل میں اسلام نے سب سے پہلے ان تمام غیر فطری توہمات کی بیخ کنی کی جو ارتقائے انسانیت کے لئے سد راہ تھیں۔

اسلام کی حقانیت کی پہلی ضرب کاری رہبانیت اور کاہنیت پر پڑی کیونکہ یہ لوگ اس دلپذیر انداز سے ترک دنیا کرتے تھے کہ انسانی طبائع بے ساختہ ان کی طرف مائل ہوکر ترک دنیا کے لئے مجبور ہوجاتی تھیں۔ یہی مجبوری حصول مقصود مطلق کی راہ میں آڑے آتی رہی اور انسان اپنے فطری علوم سے بے بہرہ ہوکر معلومات سے دور ہوتا رہا۔

اس قسم کی عبادات و معاملات نے انسانیت کو پھلنے پھولنے اور معراج کمال حاصل کرنے میں ہر گام پر روکا۔ ان راہبوں اور کاہنوں کے مجاہدات ترکِ دنیا پر محمول تھے۔ حالانکہ دنیا ہی دسترخوان علم و عمل اور دسترخوان معلومات ہے اور دنیا ہی وہ عالم اسباب ہے جس کو عبادت کا ذریعہ بنایا جاتا ہے اور دنیا ہی زندگانی دنیا کا سامان ہے۔ بعثت نبوت کے لئے بھی اسی دنیا کو تجویز کیا گیا اور نزول قرآن کے لئے بھی اسی دنیا کو تجویز کیا گیا اور مکہ معظمہ کو بھی اس دنیا میں تجویز کیا گیا۔ اسی دنیا کے لئے اس کو مرکز عبادت بنایا اور فرمایا گیا: ان

اول بیت وضع للناس للذی ببکتہ مبارکا وھدی للعلمین

یعنی سب سے پہلا گھر دنیائے انسانیت کی ہدایت کے لئے وہ ہے جو مکہ مکرمہ میں مبارک بنایا گیا اور سارے جہانوں کی ہدایت کے لئے بنایا گیا۔

یہی دنیا انبیاء کا معمل خانہ رہا۔ اسی پر سعادت دارین کے تجربے کئے گئے۔ یہی دنیا مصلے گاہ عباد و زہاد رہی۔ ایک لاکھ کئی ہزار انبیاء اسی زمین پر مبعوث ہوئے۔ آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال کر اسی دنیا میں بسایا گیا اور دونوں میاں بیوی نے اسی دنیا میں بنائے انسانیت ڈالی اور اس کے لئے کھیتی باڑی کی ابتدا کی اور نشیمن کا آغاز کیا۔ اسی دنیا پر سلاطین نے حکمرانی کی اور انسانوں کو حکمرانی کے ضابطوں میں پابند رکھا۔ اسی دنیا کے سونا و چاندی کو زیور جان بنائے رہے۔ اسی دنیا میں پورب و پچھم کی ہواؤں نے دانہ گندم کو پالا۔ اسی دنیا کی مٹی سے دانہ گندم نے نمو پائی اور اسی دنیا کا انسانوں کے لئے وہ رزق کا باعث بنا اسی دنیا کو پانی پی کر انسانوں نے اپنی پیاس بجھائی۔ اسی دنیا کے شمس و

قمر سے انسانی زندگیوں نے حرارت پائی۔ اسی دنیا کے کواکب سے انسانوں نے اپنی راہیں ڈھونڈیں اور منزل کا سراغ لگایا۔ اسی دنیا کے لیل و نہار سے انسان وابستہ رہے۔ اس دنیا کی وہ کون سی ایسی چیز ہے جس کو راہبوں کاہنوں اور سادھوؤں نے استعمال نہیں کیا۔ اگر ان کی ترک دنیا بھی متاع دنیا سے بچ نہ سکی تو ظاہر ہے کہ ایسی رہبانیت ایسی کاہنیت اور ایسی سادھویت کی بنیاد نفاق پر ہو گی۔

جس عبادت کی بنیاد نفاق پر ہو' وہ اللہ کو کیونکر پاسکتی ہے۔ یہ بڑا عجوبہ انسانیت تھا جس نے ایک طرف دانہ گندم کھایا اور دوسری طرف اس سے ہجرت اختیار کی اور تیسری طرف مہاجر بننے کے بعد بھی اس سے نہ بچ سکا 'غاروں میں دشت و جبل میں' صحراؤں میں 'جہاں بھی دنیا سے بھاگتا ہوا گیا دنیا اس کے زیر بار ہی 'وہ دنیا کی ہواؤں مین سانس لیتا رہا اور دنیا کا پانی پیتا رہا اور دانہ گندم کھاتا رہا اور دنیا کی نباتات کے کپڑے پہنتا رہا۔

نہ جانے ان سب چیزوں کی موجودگی میں وہ کیسے تارک الدنیا کہلاتا رہا۔ اس توہم پرستی نے انسانیت کو جادہ حق پر چلنے کی شجاعت سے محروم کردیا تھا۔ انسان بزدل' ترسندہ' کام چور ہورہا تھا اور فطرت کی پیہم خلاف ورزی پر آمادہ کار ہوچکا تھا۔ حالانکہ سید نا عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم ایک ظلم و عدوان کے زمانے میں رحم و کرم کا مجسمہ بن کر آئی تھی اور اسی رحم و کرم کی تبلیغ کے ساتھ وہ ظلم و عدوان کا خاتمہ کرنا چاہتے تھے۔ آپؑ نے رہبانیت کی تبلیغ ہرگز نہیں کی۔ سید نا عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں وہ خدا شناس راہب جنہوں نے

نفاق نفسانی کو ختم کرنے کے لئے تزکیہ نفس کیا تھا۔ سربازار خدمت انسانی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ بعد کے مسابلہ پسند مذہبیوں نے ترک دنیا کی بنا ڈال کر مذہب کے عملی خطوط سے اپنی قوم کو ہٹا دیا جس کے نتیجے میں وہ لوگ کسی داعی برحق کی حق پسندانہ تلقین برداشت کرنے کے اہل نہ رہے چنانچہ پروردگار عالم نے وقت کی سب سے بڑی ذہنی مصیبت کا حل اسلامی عقائد اور عبادات و معاملات کے ساتھ اس طرح کیا کہ اعلائے کلمتہ الحق بہ لسان قرآن مجید بہ لسان نبی اکرم علیہ الصلوۃ و السلام بلند ہوا۔

یا ایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون ○ الذی جعل لکم الارض فراشا و السماء بناء وانزل من السماء ماء فاخرج بہ من الثمرات رزقا لکم فلا تجعلوا للّٰہ اندادا" و انتم تعلمون ○

"یعنی اے بنی نوع انسان! تم سب اس پروردگار عالم کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلوں کو پیدا فرمایا تاکہ تم صحیح متقی بن سکو۔ وہ اللہ جس نے زمین کو تمہارے لئے بچھونا بنایا اور آسمان کو تمہارے لئے سائبان بنایا اور بلندیوں سے تمہارے لئے پانی برسایا اور اس سے پھل پھول پیدا فرما کر تمہاری روزی کا انتظام فرمایا۔ لہذا تم ایسے خدا کی موجودگی میں اس کے لئے کسی کو شریک مت گردانو۔ اس حالت میں کہ تم جانتے ہو۔"

ان آیات میں قرآن مجید کی مخاطب نوع انسانیت ہے۔ قرآن مجید کی ہمہ گیر تبلیغ عام سطح سے بلند و بالا ہو کر اللہ کی مکرم مخلوق کو راہ حق پر چلنے کی دعوت دیتی ہے۔ اس آواز نے بھٹکی ہوئی دنیا کو حقیقت کی جانب راغب کردیا۔ یہ آواز

باطل کو لرزہ براندم کر دینے والی عقول و قلوب کو تسخیر کرتی ہوئی ہر نگاہ کو نبی آخر الزماں علیہ الصلوۃ و التسلیم کی طرف متوجہ ہونے کے لئے مجبور کر رہی تھی۔

نبی آخر الزماںؐ کی پیہم معجز نمائی سخت اذہان کو اس طرح نرم و گداز کر رہی تھی جس طرح بھٹی میں لوہا گرم ہونے کے بعد پیہم ضربوں سے ہتھیار بن جاتا ہے' بعینہ سخت اذہان ہدایت کی متواتر ضربوں سے ڈھل ڈھل کر "سیف اللہ" بن رہے تھے۔

اس کے بعد متفرق' متزلزل اور متذبذب عبادات کو کامل اور مستقل عبادتوں میں اس معجزنمائی کے ساتھ تبدیل کیا گیا کہ رہبانیت اور کاہنیت کی بجائے صحیح تزکیہ نفس' صحیح ضبط نفس اور استقامت کے ساتھ معینہ اوقات میں عبادت کو تنفیذ فرمایا گیا کہ معاملات انسانیہ کو بھی پھلنے پھولنے کا موقع مل سکے۔ اس فطری تقسیم اوقات نے عبادات و معاملات کو اس عدل و انصاف کے ساتھ معاشرے میں تقسیم کردیا جس سے ضیاع وقت سے قوم کو مکمل امان ملی قرآن مجید کی تقسیم اوقات سراسر فطرت کی ترجمانی ہے جس پر کوئی فکر سلیم اعتراض نہیں کرسکتی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

ان الصلوۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا ○

نماز مومنوں کے لئے وقت معین میں مقرر فرمائی گئی۔ اس کے علاوہ معاملات انسانیہ کی اتنی زیادہ تاکید فرمائی گئی کہ اس سے مفر ناقابل معافی جرم قرار دیا گیا۔ اس انوکھی تبلیغ نے معاشرے کو روحانی' بدنی' علمی اور عملی میدان میں متحرک کردیا۔ یہ تحرک ایک منظم مشین کی طرح بروئے کار آیا کہ امر الٰہی

اور امر رسولؐ نے یکبار گی تمام پیروکار ان اسلام کو حرکت دے دی۔ یہ اتحادی حرکت آئین فطرت کے مکمل ہونے کی دلیل تھی۔

ریگزار عرب کے اس آئینی تہذیب و تمدن نے انسانی دنیا میں تہلکہ بپا کر دیا۔ نزول قرآن اور اس پر عمل پیہم کی آواز نے بڑے بڑے فراعنہ اور نمارودۂ زمانہ کو اس فطرت کی آواز کی طرف متوجہ کردیا قرآن مجید کی پہلی آواز نے کائنات کے سینوں کو اللہ کی طرف ڈھال دیا تھا۔ اسلام نے رہبانیت اور کاہنیت کی اصطلاح کا رد عمل اپنی فطری عملی اصطلاح فقر کے ساتھ اس طرح کیا۔

الفقر فخری

حضور علیہ الصلوۃ و السلام کے اس فخری فقر کا ترجمہ خدائے لم یزل کے سامنے انتہائی عبودیت کے اظہار کا تھا اور مسلمانوں کے لئے بھی اس اصطلاحی فقر کی تجویز فرمائی کہ وہ بار گاہ رب جلیل کے سامنے ہمہ وقت عاجزی و انکساری کے ساتھ اپنی عبودیت کا اظہار اس طرح کریں کہ اللہ تعالیٰ کے در اقدس کے فقیر ہو کر کائنات پر امیری حاصل کرلیں اور شاہی میں خدا کے فقیر والا مزاج پیدا کرکے اپنی عاجزی کا ثبوت پیش کریں اور نہایت غربت میں شاہی استغناء کا منظر پیش کرتے ہوئے غیر اللہ سے بے نیازی کے ساتھ اپنی عبودیت کا اظہار کریں۔

اسلام نے **لا رھبا نیتہ فی الاسلام** فرما کر لفظ رہبانیت اور عادت رہبانیت کا ہمیشہ کے لئے دائرہ اسلام میں خاتمہ کردیا۔ قرآن مجید نے معاملات کی تشریح انفاق مال کے ساتھ اقتصادی نظام کو درست کرتے ہوئے مساوات پر زور دیا۔ اور اکابرین قوم کو عوام کی قولاً" فعلاً" اور عملاً خدمت کرنیکی شدید تاکید

فرمائی کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو عوام کے لیے بروئے کار لائیں اور عوام و خواص کو اخلاق باطن کے ساتھ اعمال ظاہریہ کی تعلیم دے کر اسلام کی صداقتوں پر روشنی ڈالنے کا فرض انجام دیں اور راستے سے ایک اذیت ناک کانٹے کے اٹھانے سے لے ایوان شاہی تک کے انتظام پر مفصل بحث کی اور بری و بحری راستوں کو امن عالم کے لئے استوار کرنے کی دعوت دی اور یہاں تک اخلاقی عمل اسلام کو ظاہر کیا گیا کہ غیر مسلم پڑوسی کی ساتھ بھی روا دارانہ سلوک کیا جائے اور عالم انسانیت سے ایسے باہمی معاملات کے ساتھ ربط قائم کیا جائے کہ وہ اخلاق اسلامی سے متاثر ہو کر دعوت حق کو قبول کرلے۔ اس اخلاقی تعلیم کے لئے پوری ملت اسلامیہ اور اس کے علماء کو مامور کیا گیا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

کنتم خیر امتہ اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنکر ○

(یعنی تم ہی بہتر امت ہو۔ اس واسطے کہ تم لوگوں کو اچھائی کی طرف بلاتے اور برائے سے منع کرتے

پھر علمائے امت کے لئے ارشاد ہوتا ہے:

ولتکن معکم .... تا .... عن المنکر ○

(یعنی تم میں ایک ایسے مخصوص گروہ کا ہونا ضروری ہے ج کی طرف دعوت دے اور برائی سے منع کرے)

اس آیت میں علمائے کرام کی تبلیغی ضرورت پر امت کی توجہ کو مرکوز کیا گیا ہے ان آیات میں خواص و عوام اسلام دونوں کو قولاً" و عملاً" عبادات و معاملات اسلامی معاشرت اور اخلاق اسلامی کے ساتھ دعوت حق کے اہتمام کرنے کی تعلیم دی گئی ہے اور اخرجت للناس کے الفاظ سے یہ ثابت ہوا کہ زمین کے فاصلے بغیر سامان سفر کے پورے نہیں ہوسکتے۔ اور یہ کہ وہ سامان جو انسانیت تک تبلیغ حق پہنچانے میں مد ہوسکتا ہے اس کو حاصل کرنا امت کے لئے ضروری ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ امت کو ہر زمانہ سے گزر کر انسانیت تک تبلیغ کو پہنچانا ہے اور ہر زمانہ کے مطابق جدید تقاضوں کے پیش نظر اس کو سامان رسل و رسائل ' سامان ابلاغ مہیا کرنا ضروری ہے ورنہ بری اور بحری راستوں سے گزر کر بلند و بالا چٹانوں کو عبور کرکے اور غیر معلوم راہوں سے بلا سامان سفر گزر کر تبلیغ کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔

اس سے وقت کی ان تمام مشینوں کا حاصل کرنا ثابت ہوگیا ہے جن کی دور جدید میں انسانیت کو ضرورت ہے۔

قرآن مجید معاشرت کی تشریح ریاست کی فلاح و بہبود کے ساتھ کرتا ہے اور معاشرے کی فرداً" اور اجتماعاً" آسودگی چاہتا ہے۔ انتظام ملکی ایسے مقدس ہاتھوں میں سونپا جاتا ہے جو ریاست کے باشندوں کے لئے شفیق ہوں سیاسی حسن انتظام کو اس انداز سے ریاست پر مسلط کرنا چاہتا ہے جس سے عوام کی کارکردگی کی صلاحیتیں نمودار ہوکر انتظام ملکی میں معاون ہوسکیں۔ قرآن مجید ' معاشرے میں ایک فریادی کی فریاد عدالت عظمےٰ میں اس طرح پیش کرتا ہے۔

پیش قرآں بندہ و مولا یکے است
بوریا و مسند و دیبا یکے است

معاشرت اسلام کے حسن اخلاق کا نمایاں چہرہ ہے جس کا شاداں و فرحاں ہونا قلب و جگر کی مسرت کا آئینہ دار ہوتا ہے اور معاشرت اس صحت مند حقیقت کا نام ہے جس کا صحت مند ہونا سیاست ملکی کے صحت مند ہونے کی بین دلیل ہے۔ ریاست کے کلی معاملات پر سیاست کا تصرف اتنا حسین ہو کہ معاشرہ احکامات ملکی و ملی کی تعمیل بخوشی انجام دینا شروع کر دے۔

جو معاشرہ احکامات کی تعمیل میں تساہل برتتا ہے اس معاشرے کا تساہل سیاسی انتظام کے نامکمل ہونے کی علامت ہوتا ہے۔ قرآنی تعلیمات حسن انتظام ملکی و ملی کے ساتھ مجموعی طور پر معاشرے کو عمل پیہم کی دعوت دیتی ہیں۔ اجزائے معاشرت کے مجموعے کا نام حسن معاشرت ہے۔

قرآن مجید کی نظر میں سیاست حسن انتظام کا نام ہے نہ کہ حسن کذب کا اسلامی سیاست علمبردار حق و صداقت ہوتی ہے۔ اس کا انتظام ریاست کی داخلی اور خارجی حیثیت پر جامعیت اور مانعیت کی حیثیت پر ہوتا ہے۔ وہ ریاست کے داخل و خارج میں ایک ایسی مضبوط دیوار کی حیثیت رکھتی ہے جو صلاحیات و حیثیات ملکی کی جامع اور ہلاکات داخلیہ اور خارجیہ کے لئے مانع ہوتی ہے۔

سیاسی دیوار کا مستحکم ہونا ریاست کے لئے دیوار حوض کی مانند ہے۔ اگر دیوار

حوض کمزور ہو تو کسی بھی وقت اس کے ٹوٹ جانے کے امکانات ہوتے ہیں۔ دیوار جب بھی ٹوٹ جائے گی۔ حوض کی جامعیت ختم ہو جائے گی اور دیوار حوض جتنی مضبوط ہوگی حوض کی جامعیت کی بقاء کا پیش خیمہ ہوگی۔ اور حملات خارجیہ کے لئے ایک قوی حصار کی صورت میں مانع ہوگی۔

دنیائے انسانیت میں جہاں کہیں بھی سیاسی انتظامات غیر مستحکم ہوئے۔ اس ریاست کو بربادی کا سامنا کرنا پڑا۔ اسلام استحکام ملکی کے ساتھ تبلیغ چاہتا ہے۔ اسلام کی یہ معاشرت کائنات پر تفوق و برتری رکھتی ہے۔

قرآن مجید اخلاقِ اسلامی کی تشریح تقویٰ کے ساتھ کرتا ہے اس تقویٰ کے ساتھ جس کا تعلق "ایمان بالغیب" کے ساتھ ہو اور اقامت الصلوۃ 'انفاق مال' ایمان بالکتب اور یقینِ آخرت پرؔ ان طرز و اطوار کے ساتھ تعلیم اخلاق دیتا ہے جو حسن نیت سے اٹھ کر حسنِ عمل کی صورت اختیار کرے۔

اسلام نے اخلاق میں قول کا بڑا دخل ثابت کیا ہے۔ اس واسطے کہ حسنِ کلام دل پر اثر انداز ہوتا ہے یہ اخلاق کا بنیادی پہلو ہے اور دوسروں کے دلوں پر اثر انداز ہونا اس کی تاثیر ہے۔ اخلاق کی جسم انسانی مین قدرتی طور پر دو صورتیں بنتی ہیں۔ اخلاقِ نفسانی' اور اخلاقِ روحانی۔

قرآن مجید کی جملہ تعلیمات صاحبِ ایمان کو ایمان سے ابتدا کرنے کی اس واسطے تاکید کرتی ہیں کہ جسمِ ثقیل کے ذرے ذرے میں صرف روحانیت ہی کار فرما ہے ورنہ وہ بیکار مردہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی جملہ حرکات و سکنات روح پر مرتب ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس کی تعلیمات حقاء کے پیش نظر دل کو پاکیزگی کی

تعلیم دے کر روح میں تلاطم پیدا کر کے ارادوں کو ہمنوا کرتے ہوئے اعمال کی صورت اختیار کرنے پر آمادہ کرتی ہیں اخلاق اسلامی کا منشاء اپنی ذاتی خواہشات نفسانی کی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے دوسروں کی ضروریات کی تکمیل ہے۔ اخلاق اسلامی جو چیز اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی چیز اسی طرح دوسروں کے لئے بھی پسند کرتا ہے اخلاق اسلامی مردم آزاری سے بچنے کی ترغیب دیتا ہے۔

اخلاق اسلامی متاع زیست تک کو حق و صداقت پر قربان کرنے کے لئے سعادت محسوس کرتا ہے۔ اخلاق اسلامی ' اسلام کی ہدایات پر اس واسطے عمل پیرا ہونے کی کلیتہ" دعوت دیتا ہے کہ اسلام جزوا" اور کلیتہ مجموعۂ اخلاق ہے۔ اس کی کوئی شق اخلاق کے سوا نہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

یا ایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافتہ و لا تتبعوا خطوط الشیطٰن انہ لکم عدو مبین

" یعنی اے ایمان والو ! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو کہ وہ تمہارا علی الاعلان دشمن ہے۔"

ادخلوفی السلم کی صحیح تشریح باضابطہ اعمال اسلام کی پیروی ہے جو اخلاقیات پر مبنی ہے اور اسلامی اعمال سب کے سب نیکیاں ہیں اور ہر نیکی اخلاق کی جزو ہوتی ہے۔ اور نیکی ہی منفعت کے میدان میں انسانیت کے لئے سود مند ثابت ہوتی ہے۔ اخلاق اس فراوانی سعادت کا نام ہے جو بہمہ وجوہ خیر الناس اور ـانفع الناس پر محمول ہو اور ہر وہ عمل شر شیطان کی تخلیق ہے جو انسانیت کے لئے اذیت کا موجب ہے اور ہر قسم کی اذیت نوع انسانی کے لئے جذبات کشی اور

مردم آزاری کا باعث بنتی ہے۔

اس واسطے مسلمانوں کو اسلامی اخلاق حمیدہ سے ہٹ کر شیطان کی برائیوں کی پیروی کرنے سے منع کردیا گیا ہے اور اس کی راہوں پر چلنے سے ممانعت کردی گئی ہے تاکہ وہ کسی طرح بھی اذیت ناک برائیوں سے ہمکنار نہ ہوسکے اور اپنے دامنِ اخلاق کو امانت کے ساتھ بچاتا ہوا عافیت کا مظاہرہ کرسکے۔ اسلام کی جملہ عبادات و معاملات عافیت کے نشانات ہیں۔

اخلاق کا تعلق تعلیمات اسلامیہ کے ساتھ ساتھ تاریخ اعمال اسلامیہ سے زیادہ ہے۔ اور اخلاق کا تعلق انبیاؑ صدیقینؓ شہدا اور صالحین کے اقوال و افعال کے ساتھ وابستہ ہوکر تربیت پاتا ہے۔ اخلاق کے لئے صالحین کی تقلید کرنا ازبس ضروری ہے۔ جس کو تاریخ تصوف میں طریقت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اسی واسطے علمائے اسلام نے تصوف کو اخلاق کا نمونہ قرار دیا ہے اور تصوف اسلام ہی معیار اخلاق ہونے کی اہلیت رکھتا ہے۔ تمام صحابہ کبارؓ شریعت اور طریقت کے فرمانبردار تھے اور یہاں طریقت سے مراد رسمی طریقت نہیں ہے۔ بلکہ اسلامی تعلیمات کی تعمیل میں جو اعمال مرتب ہوکر سامنے آئیں ان کے احوال کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کا نام طریقت اسلامیہ ہے۔

حضور سرور کائنات ' فخر موجودات علیہ الصلوۃ و السلام نے تعمیل احکام الہی کے ساتھ جو اقوال ' افعال اور احوال حاصل کئے وہ آپ کی فرماں بردار؍ی حق کے نتیجہ میں مرتب ہوکر سامنے آئے آپ ازلی طور پر نبی تھے مگر میدان تعمیل میں بعثت نبوت سے دم واپسیں تک حتمی طور پر جن احوال ' اقوال اور

افعال کی آپؒ نے تکمیل فرمائی وہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہوگئے۔ ان کی تقلید طریقہ نبوت کی تکمیل تھی۔ یہ طریقت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر مرتب ہوئی اور تابعینؒ نے صحابہ کی طریقت کی تقلید کی شجرہ تقلید طریقت کی تکمیل کا آغاز قرآن مجید کی اس آیت کریمہ سے ہوا۔

ما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا یعنی "جو کچھ تمہیں رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دیں۔ اس کو اختیار کرو اور جس چیز سے منع فرمائیں اس سے باز آجاؤ۔"

ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ و السلام نے اپنی امت کو قولاً" ' عملاً" اور اصولاً" نیکیوں کا حکم دیا اور برائیوں سے منع کیا۔ یہ ترتیب تعمیل تقلید صراط طریقت پر ہی میسر آسکتی ہے چنانچہ اسلام نے ہر شعبہ زندگانی میں اس تعمیلی پروگرام کو طریقت کی تقلید سے ہی سرانجام دیا۔

تجارت ' صنعت و حرفت ' تبلیغ و حکمت ' سیاست تصرف ملکی ' ذاتی اجتماعی طور پر جہاں بھی اور جس طرح بھی افراد اسلامیہ کو موقع ملا۔ اسلام کے اخلاق کے نمونہ کے ساتھ اپنی صلاحیتوں کو جزوی اور کلی طور پر سرانجام دے کر اخلاق اسلامی پیش کیا۔

الدین کلہ ادب ۔ دین سارے کا سارا مجموعہ ادب ہے حاکم کا محکوم سے انصاف اور روا داری۔ امیر کا غریب سے حسنِ سلوک عالم کا جاہل سے تلطف ' قوی کا ضعیف سے حسنِ مروت ' صحت مند کا مریض سے حسنِ مدارت مقیم کا مسافر سے حسنِ التفات مظلوم کو ظالم کے پنجہ استبداد سے بچانا ' معاشرے سے

بدعنوانیوں کو دور کرنا۔ ہر نشیب کو فراز اور ہر فراز کو اعتدال پر لانا۔ عدل و انصاف کو بروئے کار لانا ازدواجی زندگی کو فطرت کی نہج پر چلانا' اولاد کی اعلیٰ تربیت ' خاندان کی پرورش ' پڑوسی کے حقوق کی نگہداشت 'یتیم کے مال کی حفاظت 'بیوگان کی خدمت ' دردمندوں ' آفت رسیدہ لوگوں کی خبر گیری ' سفید پوشوں کی داد رسی 'بڑوں کا ادب ' چھوٹوں سے شفقت ' مہمان کی تواضع ' نوع انسانیت سے پیار 'امن عالم کی تبلیغ بھولے بھٹکے ہووں کو راہ دکھانا۔ مصیبت میں دستگیری کرنا ' ایفائے عہد 'روٹھے ہوئے لوگوں کو منانا اور بچھڑے ہووؤں کو ملانا 'علم و عمل کی دعوت دینا 'درس و تدریس کے مشاغل کو جاری رکھنا 'راستوں کو ٹھیک کرنا 'ماں باپ استاد اور معلمین قوم اور مدبرین قوم کی توقیر کرنا 'کاروباری زندگی میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹانا' ذخیرہ اندوزی سے بچنا' بیع و شراح میں انصاف کو ملحوظ رکھنا 'ہر قسم کے حرام سے بچنا اور لوگوں کو بچانا 'جلبِ منفعت کی خاطر دوسروں کو نقصان پہنچانے سے بچنا 'اور لوگوں کو بچانا کسی کا دل نہ دکھانا 'خدا کی معینہ حدود کے اندر رہنا اور تجاوز سے بچنا وغیرہ یہ سب چیزیں دستور اخلاقِ اسلامیہ میں داخل ہیں۔ ان میں سے ہر شق کی حفاظت اخلاقِ اسلامیہ کی حفاظت ہے۔

قرآن مجید اور آداب زندگی

واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ و انہا لکبیرۃ الا علی الخاشعین ○

یہ دنیا سرائے فانی ہے اور اس سرائے فانی میں جو لوگ بھی اللہ کے فضل سے تشریف لائے وہ سب کے سب محتاج تھے اور جواب موجود ہیں اور جو لوگ آئیں گے وہ سب محتاج ہوں گے۔

خالق فطرت نے اپنی منشاء کے مطابق ذوالحیات پر احتیاج کو مسلط کیا ہے اور اس احتیاج کا منشاء یہ تھا کہ اللہ کے سوا کوئی بھی معبود ہونے کا دعوی نہ کرسکے اور کسی طرح بھی معبود نہ بن سکے اس پر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی مشابہت نہ ہوسکے۔ اللہ تعالیٰ سب جہانوں کا بادشاہ ہے سارے جہاں اس کی ملکیت ہیں۔ سارے جہانوں کے مکیں اس کے مملوک ہیں۔

اللہ احکم الحاکمین ہے۔ اس نے اپنی مرضی سے کائنات کو پیدا کیا اپنی مرضی سے زندگانیاں عطا کیں اور اپنی مرضی سے صورتیں اور سیرتیں تخلیق فرمائیں عقلوں کو حیران کردینے والا یہ سارا تماشائے عالمین اسی کا ہے۔

مندرجہ بالا آیات میں ان محتاجوں، غرض مندوں اور ہر قسم کے احتیاج رکھنے والوں کو استعانت کا صحیح طریقہ سکھایا ہے اور مومنین سے خطاب فرمایا

گیا۔

" اے فطری تعلیمات کے حامل مسلمانو! تم اس بات کو سمجھ سکتے ہو کہ انسان محتاج ہے تم تو اس کے سامنے سر بسجود ہونے والے ہو۔ تمہارا ایمان ہے کہ تم اس کے محتاج ہو۔ اس واسطے تمہیں یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ تم بھی خدا سے استعانت چاہو تو اس طرح چاہو۔

یہ امر ہے اور جمع کے لئے بولا گیا ہے اور جمیع المومنین سے خطاب ہے اس سے ایک یا چند مسلمان نہیں ساری ملت اسلامیہ مراد ہے یعنی اے سب مومنو ! اللہ کی ذات پر ایمان رکھنے والو! مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ صبر کے ساتھ اور نماز کے ساتھ مدد مانگو کیونکہ دنیا دار آلام اور دار آلاشوب دار المحن ' دار الاغمام ہے یہاں پریشانی اور غم آزمائش کے طور پر دیئے جاتے ہیں اور بیماریاں آزمائش کے لئے بھیجی جاتی ہیں۔

آشوب آزمائش کے طور پر ڈالے جاتے ہیں۔ انسانیت ہر دور میں مبتلا آلام رہی ہے اور رہے گی اگر کوئی انسان اس دنیا میں رہ کر چاہے کہ غم سے نجات پائے اور اس سے بے تعلق رہے تو یہ ممکن نہیں ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ نوزائیدہ بچہ اس دنیا میں آکر سب سے پہلے روتا ہے اس کی سب سے پہلی صدا اس کا غم ہے وہ غم و آلام سے دوچار کردیا جاتا ہے اگرچہ اس کی بصیرت نارسا ہوتی ہے فہم نارسا ہوتا ہے لیکن اس کی فطرت رسا ہوتی ہے وہی اس کو رلاتی ہے اس کی فطرت اس بات کا احساس رکھتی ہے کہ جس مقام پر ڈال دیا گیا اس کی مسافت اور منزل میں غم و الم ہے۔

قربان جائیں تعلیماتِ مصطفائی پر کہ وہ سب کہ سب عین فطرت ہیں دنیا مومنوں کے لئے گھر نہیں ' بلکہ قید خانہ ہے اور منکرینِ حق کے لئے جنت ہے دنیوی تعلیمات کی رو سے یا نفسانی تعلیمات کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ یہ دنیا دارِ فانی ہے اس کو دارا الفراق قرار دیا گیا ہے۔ جہاں کوئی شخص ہمیشہ قیام نہیں کرسکتا۔ یہ قید خانہ ہے۔ یہاں طرح طرح کی پابندیاں ہیں۔ یہ ایسا دام تزویر ہے جہاں محبت بھی ہوتی ہے۔ فراق بھی ہوتا ہے۔ یہاں کوئی شخص اپنی محبت کو دنیوی طور پر پورا نہیں کرسکا۔

دنیا میں سب سے بڑا مقام بادشاہی سمجھا جاتا ہے۔ شہزادوں اور شہزادیوں کو بڑے نازو نعم سے پالا جاتا ہے قصر شاہی میں آرام و آسائش کی ہر چیز جو روئے زمین پر میسر آسکتی ہے مہیا کی جاتی ہے ان کے عشرت کدے اور آئینہ خانے نوادرات عالم سے سجائے جاتے ہیں جہاں جلال شاہی تمکنت آرا ہوتا ہے اور جمال شاہی آرام کرتا ہے وہاں پہرے لگائے جاتے ہیں اور ان کی ہر طرح حفاظت کی جاتی ہے۔ وہاں غربت کا گزر تک نہیں ہوتا۔ وہاں کی زندگی مصائب سے نا آشنا ہوتی ہے۔ لیکن جب وہاں موت آئی تو اس کو پہرے دار نہ روک سکے۔ سارے جہاں کا دبدبہ اور سطوت شہزادوں اور شہزادیوں کو موت سے نہ بچا سکا۔ ساری زندگی کا جمع شدہ مال ومتاع اور ازوقہ زیست موجود ہے لیکن مسرت کدے ماتم کدے بنے ہوئے ہیں اور خوشیوں کی جگہ غموں نے لے لی ہے۔ جب موت آتی ہے تو خوشیوں کو یکشمت لوٹ لیتی ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ ہم دارالا غمام ' دار آلام اور دارالفراق کے مسافر

ہیں۔ جہاں باپ اور بیٹے میں پیار ہوتا ہے۔ لیکن خدا تعالٰی کا قانون ان کے درمیان فرق ڈالتا ہے۔ ماں اور بیٹی میں بہت محبت ہوتی ہے لیکن انہیں بھی جدا کردیا جاتا ہے۔ میاں اور بیوی ہمدمِ زندگی ہوتے ہیں لیکن وہ بھی الگ کردیے جاتے ہیں۔

قانونِ قدرت کی بہت سی کیفیات، تمہاری آنکھوں سے اوجھل اور مستور ہیں تم بچوں سے، امارت سے، علم و ہنر سے اور زمان و مکان سے کھیلتے ہو، لیکن تمہیں اس کی کوئی خبر نہیں ہوتی کہ ایک لمحے بعد کیا ہونے والا ہے۔ زمین و آسمان میں کیا ہونے والا ہے۔ لیکن اسلامی تعلیمات نے تم کو باخبر کردیا ہے کہ تم کچھ بھی نہیں ہو تمہاری یہ زندگی فانی ہے۔ اور تمہارے یہ کھیل ادھورے ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ دنیا مسلمانوں کا گھر نہیں ہے۔ یہ تعلیم کس قدر علمِ ہست و بود کے مزاج اور وجودِ خاکی کی فانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ تمام علوم اور مابعد الطبیعات کا خلاصہ یہ ہے۔

اللہ تعالٰی ان مومنوں سے جو اس پر ایمان لائے اس کو وحدہ لاشریک تصور کیا اپنے آپ کو محتاج جانا، اس کو غنی کہا۔ اپنے آپ کو بندہ اور اس کو احکم الحاکمین مانا، خطاب فرماتا ہے کہ تم صبر کے ساتھ اور نماز کے ساتھ استعانت طلب کرو۔ اے دارالمحن کے مسافرو! تم استقامت اور صبر کے ساتھ کام لو۔ اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اگر تم کواستعانت چاہئے اور رضائے الٰہی کے طلب گار ہو۔ تو سب سے پہلے تمہاری نیت میں استقامت کا ہونا ضروری ہے اگر تمہاری نیت میں تذبذب ہو، تو اپنی مراد تک نہ پہنچ سکو گے تم اللہ سے

امداد طلب کررہے ہو۔ اگر تم پر کسی قسم کا غم یا مصیبت ہے، تم بیمار ہو یا کوئی احتیاج رکھتے ہو تو اللہ کو اللہ سمجھتے ہوئے اس کے حضور میں حاضر ہو جاؤ۔ اپنی نیت کو مستقل کرو۔ تمہارے پاس ایمان موجود ہے اس پر استقامت حاصل کرو۔

اگر تمہارے اوپر کسی قسم کا خارجی، نفسانی یا عقلی دباؤ ہے تو اس کو ختم کردو کیونکہ خارجی دباؤ کبھی تمہارے لیے نفع بخش ثابت نہیں ہو سکتا۔ اللہ کے سوا کوئی خارجی قوت تمہاری مدد نہیں کرسکتی۔ اس لئے جتنے قسم کے دباؤ تمہاری طبیعت پر ہیں ان کو دور کرو اور صبر کے ساتھ برداشت کرتے ہوئے اللہ کے حضور میں حاضر ہو جاؤ۔ یہاں تک صبر کا ذکر ہے اس کے بعد نماز کا ذکر آتا ہے۔

نماز اللہ تعالٰی پر ایمان لانے کے بعد نیت سے شروع ہوتی ہے۔ بدن اور لباس کی پاکیزگی اور اپنے ارکان سے متعلق ہوتی ہے۔ یہ اظہار عبودیت ہے اور گردش لیل و نہار کے پانچ اہم اوقات میں نیت سے اس کی ابتدا ہوتی ہے جس آدمی کی نیت متزلزل ہو، وہ مکمل وضو نہیں کرسکتا۔ اس کی نماز درست نہیں ہوسکتی۔ اس واسطے فرمایا کہ پہلے تم صبر کو اپناؤ پھر نیت میں استقلال پیدا کرو۔ اور نماز قائم کرو اور اسے پورے ارکان کے ساتھ ادا کرو۔ اس کے بعد خدائے لم یزل کے حضور میں صبر و استقامت کے ساتھ استعانت طلب کرو۔

ایسا صبر ایسی استقامت اور ایسی نماز بے حد دشوار ہوتی ہے۔ **الاعلی الحاشعین**، مگر خاشعین پر یہاں خاشعین کو تذبذب اور تزلزل سے مستثنٰی فرمایا گیا ہے۔ یعنی سوائے اہل ایمان کے، دوسرے لوگ ایسا نہیں کرسکتے۔ ان کے لئے یہ حالت بہت گراں ہے۔ ہمہ وقت اللہ سے ڈرنے والے اور اس سے امید

رکھنے والے ہی ایسا کر سکتے ہیں۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب کسی کو کوئی تکلیف پہنچے یا غربت مسلط ہوجائے یا کوئی بیماری آگھیرے تو وہ اللہ کے حضور فریاد کرتے ہیں لیکن جوں جوں دولت مند ہوتے جاتے ہیں یا مصائب سے چھٹکارا پاتے ہیں۔ اللہ کو فراموش کردیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کی نظر میں غربت اور امارت یکساں ہیں۔ عنداللہ ساری کائنات غریب ہے جو انسان حادثات کا شکار ہوجانے والے ہوں۔ گر کر ٹوٹ سکتے ہوں۔ پانی میں بہہ سکتے ہوں۔ آگ میں جل سکتے ہوں اور موت کا شکار ہونے والے ہوں۔ سب عاجز ہیں۔

اہلِ ایمان خاشعین ' راحت اور غم دونوں میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس واسطے کہ وہ اہل صبر اور استقامت والے ہیں وہ ارکان الصلوٰۃ سے باخبر ہوتے ہیں اور وہ ہمہ وقت اللہ کے حضور میں ظاہر وباطن سے حاضر رہتے ہیں۔

خاشعین کون ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کا خوف رکھتے ہیں اور محبت رکھتے ہیں۔ وہ ریاکار یا فریبی نہیں ہوتے۔ وہ شعائر اللہ کے سخت پابند ہوتے ہیں۔ وہ ایمان والے لوگ ہیں جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کا بھی یقین رکھتے ہیں کہ ان کو خدا کی روبرو پیش ہونا ہے اور حساب دینا ہے۔

یاد رکھو انسان کو اللہ کی طرف رجوع کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ یقیناً" سب کو اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے جو اسے تسلیم کرتے ہیں وہ بھی اور جو نہیں کرتے وہ بھی اسی کی طرف رجوع کریں گے۔ ظالم و مظلوم ' گنہ گار و بے گناہ سب اس کے حضور حاضر ہونگے۔ اور انبیاؑ و اولیاؒ اور شاہ و گدا سب

حاضر کر دیے جائیں گے اور انصاف کے دن اللہ کے سوا کوئی بادشاہ نہیں ہوگا اور اس دن کسی کو کوئی اختیار نہیں ہوگا۔

چنانچہ اللہ نے سارے ذی جانوں کے لے فرمایا:

" ان سب کو جوذی جان مخلوق ہیں موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے۔"

استعانت بالصبر و الصلوٰۃ کی تفسیر کے ضمن میں فرمایا۔ استقلال رکھنے والے اور مصائب پر صبر کرنے والے اور اللہ کے حضور میں نماز پڑھنے والے ہیں اگر تم بھی اللہ سے استعانت چاہتے ہو تو اپنی نیتوں کو پاک و صاف کرو اور ایمان پر استقامت حاصل کرکے صبر سے کام لیتے ہوئے خوشی غم میں اظہار عبودیت کرتے ہوئے اپنے مالک و مولا کے سامنے نماز کے ساتھ حاضر ہو جاؤ وہ تمہاری ضرور مدد کرے گا۔

نیت کی مثال بیج کی ہے۔ اگر بیج صحت مند ہو تو اس کا درخت اور اثمار سب صحت مند ہوں گے۔ کسی مومن کی نیت ٹھیک ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ احکام الٰہی پر عمل پیرا نہ ہو۔ جب وہ امر و نہی پر صحتِ نیت سے پابند ہوگا تو اس کے اعمال زندگی بھی صحت مند ہوں گے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسولؐ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز کا شوق رکھتے ہیں۔ پھر بھی ہم سے نماز نہیں پڑھی جاتی۔ آج یہ روش عام ہو گئی ہے۔ میں نے اکثر نوجوانوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ اور رسولؐ، قرآن مجید اور یوم آخرت پر ہمارا ایمان ہے اور اسلام

سے ہمیں محبت ہے لیکن ہم سے نماز نہیں پڑھی جاتی۔

یہ کیسا ایمان اور کیسی محبت ہے جو اپنے نتائج ایمان کو برآمد نہیں کرسکتی کھیت سے محبت رکھنے والا دہقان اگر کڑکتی دھوپ میں محبت کا مظاہرہ کرسکتا ہے۔ تو خدا سے محبت رکھنے والا کیونکر نماز سے جدا ہوسکتا ہے۔ دہقان کو جب معلوم ہوتا ہے کہ زمین فصل پیدا کرسکتی ہے۔ اور اس سے منافع میسر آسکتا ہے تو شدت کی گرمی اور سردی میں لگاتار محنت کرتا ہے اس کو یقین کامل ہوتا ہے کہ نتیجے میں اسے فصل میسر آئے گی۔ بازاروں میں جاکر دیکھیے تاجر صبح و شام دولت کی نماز پڑھتے ہیں۔ یعنی وقت پر حاضری اور لگاتار محنت اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دولت کو عزیز رکھتے ہیں اور ایک لمحے کے لئے اس سے غفلت پسند نہیں کرتے۔

جب لوگوں کو یہ یقین ہوجاتا ہے کہ فلاں مقام پر نفع ہے۔ تو سب وہاں پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سب کی عقل و علم و ہنر منافع گاہوں پر حاضر ہیں۔ حتیٰ کہ نوجوان اور بوڑھے ' عورتیں ' مرد خاص و عام تلاش منافع میں مصروف ہیں۔ اور یہ سب طالبانِ دنیا خشوع اور خضوع کے ساتھ حصول زر کے ارکان کو پوری طرح بجالاتے ہیں اور اس مین دیدہ دانستہ کوئی فروگزاشت نہیں کرتے کہ مباد انقصان ہوجائے بکثرت اہل دنیا قطار در قطار ' فوج در فوج ' قافلہ در قافلہ دولت کی خاطر جارہے ہیں کیونکہ ان کو یقین ہے ہے کہ دولت سے نفسانی خواہشات پوری ہوتی ہیں اور اس پر وہ استقامت حاصل کرتے ہیں۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے

ہیں اور اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ اوامر و نواہی ان ہی کے مفاد کے لئے ہیں تو پھر ان سے نماز کیوں نہیں پڑھی جاتی معلوم ہوا ایمان تو ہے لیکن مستحکم ایمان نہیں ہے نیت تو ہے مگر متزلزل خوف و رجا تو ہے مگر ناقص کلام الٰہی سے ان کے قلوب صحیح معنوں میں متاثر نہیں ہیں ان کو اللہ رسولؐ اور اسلام سے ویسی محبت نہیں جس کے وہ مدعی ہیں۔

اگر وہ اپنے دعووں میں سچے ہوتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ نماز نہ پڑھتے اور روزہ نہ رکھتے۔ زکوۃ نہ دیتے اور حج نہ کرتے اور یتیموں کی خبر گیری نہ کرتے۔ پڑوسیوں کا حق ادا نہ کرتے اور کوئی وجہ نہ تھی کہ ان کے اندر خدا ترسی نہ ہوتی۔ پڑوس میں کسی کی بیوی بیوہ ہو سکتی ہے۔ کسی کے بچے یتیم ہوسکتے ہیں۔ کسی پر غربت مسلط ہوسکتی ہے تو کیا اس پر یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ سب کی بیویاں بیوہ ہوسکتی ہیں سب کے بچے یتیم ہوسکتے ہیں اور غربت افلاس سب پر مسلط ہوسکتا ہے۔

یہ کیسی خدا ترسی ہے کہ کسی کے پالتو جانوروں کو صحت بخش غذائیں ملیں اور غریب پڑوسی کا بچہ دوا سے بھی محروم رہے۔ کسمپرسی کے عالم میں بلک بلک کر مرجائے۔ بے کسوں اور ناداروں کو طرح طرح کے امراض چمٹیں اور غربت کی وبائیں نازل ہوں ان کی مائیں آنسو بہانا چاہیں مگر بہا نہ سکیں شدت آلام سے ان کی آنکھوں کے سوتے خشک ہوجائیں۔

مائیں سب کی یکساں ہوتی ہیں جس طرح ایک بے کس بچے کی ماں رو سکتی ہے۔ اسی طرح ایک شہزادے کی ماں بھی رو سکتی ہے۔ ایک غریب بچے کا

باپ کیا کچھ تمنائیں نہیں رکھتا کون سا ایسا باپ ہے جو اپنے آل و اولاد کو خوشحال نہیں دیکھنا چاہتا۔ اگر کسی کے دل میں یہ تصور اور خشیت پیدا ہوجائے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو خالص عبادت اور معاملات کے ساتھ راضی نہ کرے۔

اس دارالمحن میں انسان خوشی کی تلاش میں سراب کی چمک سے دھوکہ کھاتا ہے۔ چند مجازی چیزیں اس کے ہاتھ میں آجاتی ہیں تو وہ ان سے بہل جاتا ہے لیکن خوشی پھر بھی اسے میّسر نہیں آتی۔ طمانیت قلب و نظر سے وہ پھر بھی دور رہتا ہے۔ کیونکہ وہ حقیقت سے دور رہتا ہے۔ اس کی فریب خوردگی کا یہ عالم ہے کہ وہ کہیں سے یہ سن پائے کہ دنیا کے کسی حصہ میں کسی نے کوئی چیز ایجاد کرلی ہے تو حیرت میں مبتلا ہوجاتا ہے لیکن وہ نہیں سوچتا کہ گردش لیل و نہار کا ایسا تحیر خیز عمل اس کی آنکھوں کے سامنے ہورہا ہے اس کی بنیاد کس حقیقت پر ہے۔ نظام تخلیق کی ابتدا کیوں کر ہوئی۔ تکوین کائنات کا مقصد کیا ہے مسلمانوں پر یہ ضروری ہے کہ ایسے بنیادی مسائل پر غور و فکر کریں۔

آتش و آب اور باد و خاک ' نظام تخلیق کے بنیادی عناصر ہیں ۔ انسان ان میں سے کوئی چیز آج تک نہ بنا سکا۔ زندگی اور موت بنیادی مسائل ہیں کوئی انسان ان میں سے کسی ایک کا بھی خالق نہ بن سکا۔ اور نہ موت پر قابو پاسکا۔ ہماری آنکھوں کے سامنے شب و روز تغیرات ہورہے ہیں اور بنیادی مسائل پر زندگانیوں کو باقاعدہ تفرعات میں تبدیل کیا جارہا ہے۔ زندگانیاں واپس لی جاتی ہیں۔ اور نئی زندگانیاں روزانہ دی جارہی ہیں۔ لیکن کوئی ان محرالعقول کاموں

سے متحیر نہیں ہوتا۔ تحیر انگیز حالات تو پہلے ہی موجود ہیں جو دعوت حق دیتے ہیں۔ لیکن تم انسانی تخلیق پر متحیر ہوتے ہو اور خالق کائنات کی تخلیق پر تعجب نہیں کرتے یہ کوتاہ بینی' سوء الادبی اور آداب زندگی کے منافی ہے۔

دراصل تمہاری نیت کو بہت سی خارجی قوتوں نے لوٹ لیا ہے کہیں دولت کہیں طاقت کہیں عارضی حسن اور کہیں ادھورے علم نے لوٹا ہے۔ اکثر لوگ مجاز کا شکار ہو گئے ہیں لیکن یہ یقینی بات ہے کہ لوگوں میں نیکی کی صلاحیت موجود ہے اسے ایمان کے سوز دروں سے حرارت کی ضرورت ہے۔

جب ایمان پختہ ہوجائے گا اور اس میں استقامت پیدا ہوجائے گی تو سارے خارجی دباؤ ختم ہوجائیں گے۔ اور یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ ساری کی ساری مخلوق و کائنات اس کے اشاروں کا کرشمہ ہے اور اسی کے حسن کا پرتو ہے اور یہ اسی کے مظاہر ہیں۔ وہ ہمارا معبود مطلق اور دستگیر ہے۔ دستگیر وحدہ لاشریک ہے۔ ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں اور اسی سے پناہ مانگتے ہیں اور اسی سے استعانت کے طلبگار ہیں وہ مستعان حقیقی ہے۔

دنیا کی کوئی طاقت' خواہ وہ لطیف ہو یا کثیف ہو غیر مختار ہے۔ مختار حقیقی خداوند ذوالجلال ہے۔ لوگوں کو اسی کو مختار جاننا چاہیے۔ اسی کی عبادت کریں۔ اسی کے حضور میں حاضر ہوکر فریاد کریں جب وہ راضی ہوجائے گا۔ تو خود بخود اسباب پیدا ہو جائیں گے۔ لوگوں میں سے عالم و فاضل' ولی' حاکم' عام و خاص بھیج کر تائید فرمائے گا۔ یہ اللہ کی مہربانیاں ہیں' کوئی انہیں سچے دل سے تلاش کرتا ہے تو مل جاتی ہیں۔ قانون قدرت کے تحت اسباب پیدا ہوتے ہیں

جن سے کام نکل آتے ہیں لیکن اسباب اور مسبب الاسباب میں تمیز پیدا کردینا ضروری ہے۔

اگر کوئی عالم دین یا ولی اللہ مل جائے تو یہ محض اللہ کا فضل ہے۔ اس سے بندگی کے آداب سیکھنے چاہئیں۔ ادب سیکھنے کے لئے توسل جائز ہے۔ لیکن بے ادب اور بے دین ہونے کے لئے نہیں۔

اگر کسی ولی اللہ کا دامن اس لئے پکڑا جائے کہ احکام خداوندی نہیں بجالائیں گے پھر بھی وہ بخشوادے گا تو یہ سراسر غلط ہے شریعت میں اس کی شدت سے ممانعت کی گئی ہے۔

اہل اللہ کے پاس اس واسطے جانا چاہئے کہ بندگی کے آداب حاصل کئے جائیں۔ بھیجنے والے نے ولی اللہ کو منافع بنا کر بھیج دیا ہے۔ جس طرح ایک درخت ثمر کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ مختار نہیں ہے۔ کسی طاقت نے اسے ثمر لوگوں کے کھانے کے لئے عطا فرمائے ہیں جس سے استفادہ ثواب ہے اور اس سے انکار کفران نعمت ہے۔ کوئی ثمردار درخت مل جائے تو اس کے اثمار ادب سے کھائے جائیں، مگر ان کی پرستش نہ کی جائے۔

ماں باپ پرورش کے لئے اسباب ہیں۔ معبود نہیں ہیں۔ عالم دین ' ولی وقت ' اور حاکم معبود نہیں ' بلکہ اسباب ہیں۔ وابتغوالیہ الوسیلتہ کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ نے جو نعمتیں پیدا کی ہیں ان سے استفادہ کرو۔ نیکیوں اور نیک بندوں سے استفادہ کرکے اللہ کی طرف رجوع کرو۔ نعمتیں اس واسطے ہیں کہ ان سے استفادہ کرنے کے بعد روحانی اور جسمانی قوت نصیب ہو ' تاکہ اہل وسیلہ

اللہ کی عبادت اور مخلوقات کی خدمت کر سکیں۔ لذائذ اس واسطے ہیں کہ ان سے جائز اور حلال طور پر استفادہ کر کے انسانیت کی خدمت کی جائے یہ ایک طریقۂ تشکر ہے۔ اس طرح علمائے دین اور اولیائے کرام اہلِ جہاں کے لئے ایک سایۂ عاطفت ہیں۔ انہیں کچھ توفیقات دی گئی ہیں اور یہ ہر انسان کو بالعموم اور مومن کو بالخصوص دی جاتی ہیں۔ جو ان کا کسب نہیں بلکہ اللہ کا فضل ہے۔

اولیاء اللہ اس کے معترف ہیں کہ یہ تفویضات الیہ ہیں اور اللہ نے جو کچھ دیا ہے اس سے انتفاع چاہتے ہیں۔ ان کے سائے میں بیٹھ کر روحانی قوت اور بصیرت حاصل کی جائے۔ اور اللہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ ستم رسیدوں ' دردمندوں ' یتیموں ' دریدہ حال غریبوں اور بیواؤں کی سرپرستی اور خدمت سے اللہ کی رضا جوئی کو حاصل کیا جائے۔ رفتہ رفتہ قلب طمانیت حاصل کرتا جائے گا۔ نیت اور ایمان میں استقامت آجائے گی اور زندگی کے آداب سے آشنائی حاصل ہوتی جائے گی۔